حصّــــہ دوئــم

تذکرہ شہدائے امّت

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مت کہا کرو کہ یہ مردہ ہیں،
(وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں

(سورۃ البقرہ ۱۵۴)

ناشر
محمد احمد عمیر

فہرست



ملا محمد حسن رحمانی رحمہ اللہ

المستشار الخاص للملا عمر

ملا محمد حسن رحمانی صاحب مرحوم کے حالات زندگی پر نظر

موت برحق ہے اور ہر زندہ نفس موت کو چھکنے والا ہے۔ یہی قرآنی فیصلہ ہے۔ مگر قابل غور بات یہ ہے کہ موت کس حالت میں آتی ہے اور انسان دنیا سے کس عمل، کردار اور نظریے کو لے کر رخصت ہوتا ہے۔ کامیاب اور کامران صرف وہ ہے جو ایمان، نیک عمل، صالح اور مصلح سوچ کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو جائے۔ ایسی موت خود متوفی کے لیے دائمی سعادت اور ورثاء و متعلقین کے لیے دائمی فخر کا باعث بنتا ہے۔ آج ہم متوفی کے کارناموں اور زندگی پر بات کریں گے کہ انہوں نے ایمان، نیک عمل کے ساتھ ساتھ جہاد، علم، ہجرت اور دینی خدمات سے مالامال زندگی گذاری، اور پھر اسی سفر میں انہیں موت آئی۔ یہ مرحوم ملا حسن رحمانی صاحب ہیں جنہوں نے کچھ عرصہ قبل اپنی روح خالق حقیقی کے سپرد کردی۔

زندگی کے ابتدائی مراحل:

ملا محمد حسن رحمانی مرحوم ملا اللہ داد اخوند کے صاحبزادے تھے۔ انہوں نے چند دہائیاں قبل صوبہ اروزگان ضلع چار چینو کے گاوں ارغور میں ایک غریب اور دیندار گھرانے میں آنکھ کھولی۔ انتہائی بچپن میں دینی تعلیم کا آغاز کیا۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کی اور پھر قندہار اور پاکستان صوبہ بلوچستان میں مختلف مدارس میں وقت کے جید علماء کرام سے کسب فیض کیا۔ مرحوم رحمانی صاحب کو دینی علوم سے خاص محبت تھی اور علماء کرام اور مدرسین سے ان کا دائمی تعلق تھا۔ روسی جارحیت کے خلاف جہاد میں ان کی تعلیم ادھوری رہ گئی۔ امریکی جارحیت کے بعد روپوشی کے ایام میں انہوں نے ایک بار پھر دینی تعلیم حاصل کرنی شروع کی اور اپنے ایک خاص استاد مولوی ارشاد الحق صاحب سے دورہ حدیث کی تکمیل کی۔

روسی جارحیت کے خلاف جہاد:

اس وقت جب رحمانی صاحب کراچی میں دینی تعلیم میں مصروف تھے افغانستان میں روسیوں کے خلاف جہاد اپنے عروج پر تھا۔ انہوں نے جہادی فریضے کی تکمیل کے لیے اپنی کتابیں رکھ دیں اور جہاد کے لیے قندہار چلے گئے۔ وہ ابتداء میں مشہور غازی طالب جان شہید کے محاذ میں تھے جن کا مرکز ارغنداب کے مضافات میں چار باغ کے علاقے میں تھا۔ رحمانی صاحب اس علاقے میں مذکورہ محاذ کے ذمہ دار تھے۔ طالب جان کی شہادت کے بعد رحمانی صاحب مرحوم نے معروف مجاہد لالا ملنگ شہید کے محاذ سے جہاد کا آغاز کر دیا۔ بعد ازاں آخر تک اسی محاذ میں ایک ممتاز مجاہد کی حیثیت سے رہے۔

لالا ملنگ شہید کی قیادت میں مجاہدین نے ارغنداب، پنجوائی اور قندہار شہر کے مضافات میں جیسے پنجاو، پشتون باغ، نظر جان باغ، محلہ جات شاہ آغا دوراہی اور قندہار تا ہرات شاہراہ پر دشمن پر حملے کیے۔اس علاقے میں سوویت یونین سے تاریخی معرکے ہوئے جن کی یادیں آج بھی عوام کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ سوویت یونین کے خلاف جنگ کے دور میں قندہار چھاونی کے علاقے میں تورانو نامی ایک چیک پوسٹ پر کارروائی کے دوران ان کی ایک ٹانگ ضائع ہوگئی جس کے بعد وہ تا آخر ایک ٹانگ پر رہے اور دین کی خدمت میں مستعد رہے۔

امارت اسلامیہ میں خدمت:

جب افغانستان میں تنظیمی اختلافات اپنے عروج پر پہنچ گئے تھے امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کی قیادت میں طالبان تحریک، فسادات کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ رحمانی صاحب ان لوگوں میں سے تھے جو آغاز سے ہی اس تحریک کے رکن تھے۔لالا ملنگ شہید رحمانی صاحب کا محاذ جس کے اہم رکن رحمانی صاحب بھی تھے اپنے تمام تر ساتھیوں کے ساتھ اسلامی تحریک میں ضم ہوگئے۔ان کے اس انضمام سے تحریک کو بہت تقویت اور مضبوطی ملی۔ قندہار کی فتح کے بعد رحمانی صاحب امارت اسلامیہ کی پہلی شوریٰ کے رکن بھی تھے۔ بعد ازاں قندہار میں صوبائی عہدیدار بنائے گئے۔ایک سال بعد امارت اسلامیہ کی جانب انہیں قندہار کا گورنر اور مغربی زون کے تنظیمی سربراہ متعین کیا گیا، پھر امریکی جارحیت کے دور تک اسی عہدے پر برقرار رہے۔
امریکی جارحیت کے بعد وہ اپنے علاقے سے ہجرت پر مجبور ہوگئے اور انہوں نے روپوشی کی زندگی گذارنی شروع کردی۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ امارت اسلامیہ کے اقتصادی کمیشن میں بھی خدمات انجام دیتے رہے۔اس طرح ۱۴ سال تک مجاہدین کو رسد کی فراہمی ، زخمیوں کے علاج معالجے، یتیموں کی کفالت کی خدمت میں حصہ لیتے رہے۔اللہ تعالیٰ انہیں کامل اجر عطا فرمائے۔

مرحوم رحمانی صاحب زندگی کے آخر تک امارت اسلامیہ کی صفوں میں ایک سچے خدمت گذار اور وفادار کی طرح خدمات انجام دیتے رہے۔ انہوں نے جس طرح امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کے ساتھ امارت اسلامیہ کے لیے خود کو وقف رکھا تھا اور مخلصانہ کام کرتے رہے بعد ان کے نائب اور جانشین امیر المومنین ملا اختر محمد منصور صاحب سے بھی بیعت کی اور ہر طرح سے وفادار رہے۔ جناب رحمانی صاحب کلیجے کے سرطان کے مریض تھے۔ ۸ فروری ۲۰۱۷ کو ۵۵ سال کی عمر میں انہوں نے اس جہان فانی کو الوداع کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

رحمانی صاحب کی شخصیت

مرحوم رحمانی صاحب کے ایک ساتھی مولوی عبدالرحمن منیر صاحب ان کی شخصیت کے حوالے سے کہتے ہیں:

رحمانی صاحب تقوی اور عاجزی کا نمونہ تھے۔ عاجز، فقیر الحال، مشفق انسان تھے۔ بیواوں، یتیموں اور بے سہارہ لوگوں کی کفالت کرتے۔ یہاں تک کہ اپنے گھر کے لیے مخصوص مبلغ بھی وہ مریض یا زخمی مجاہد کے معالجے یا شہداء کے ورثا اور یتیموں پر خرچ کردیتے تھے۔ اپنی ذمہ داری کے دوران انتہائی تقوی سے کام لیتے۔

رحمانی صاحب ایک اور پرانے رفیق کار سید عبداللہ آغا ان کے حوالے سے کہتے ہیں:

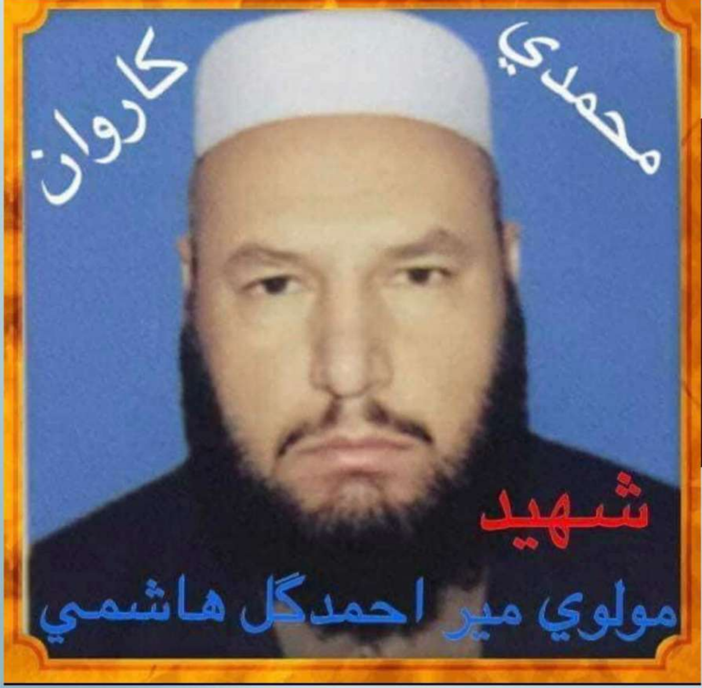
رحمانی صاحب ایسی شخصیت تھی جنہیں فقر اور مسکنت سے خاص محبت تھی۔ میں نے انہیں کبھی بھی نئے کپڑوں اور آراستہ لباس میں نہیں دیکھا۔ ہمیشہ عام سے معمولی اور سادہ لباس میں رہتے۔ امارت اسلامیہ کی جانب سے انہیں گاڑی دی گئی مگر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ دلی لحاظ سے وہ انتہائی رحم دل تھے وہ کسی محتاج یا مریض کو دیکھتے تو اپنی غربت کا ایک لقمہ بھی اس سے شریک کرتے اور اپنی استطاعت کے مطابق تعاون کرتے۔

معروف لکھاری موسی فرہاد، رحمانی صاحب کی وفات کے مناسبت سے لکھتے ہیں:
رحمانی صاحب نے بہت فقیرانہ زندگی گذاری، ہر قسم کی خیانت اور کرپشن سے پاک انسان تھے۔ افغانستان کے ۳۷ سالہ انقلاب کے پورے دورانیے میں جہاد کے تینوں مرحلوں میں ایسا کوئی داغ ان کے دامن پر نہیں جس سے ان کے، ان کے گھرانے یا مجاہدین کی بدنامی ہو۔ بلکہ اپنی ساری زندگی اللہ کی راہ میں ایک سچے انسان کی طرح گذاری۔ امارت اسلامیہ کی رہبری شوری کی جانب سے رحمانی صاحب کی وفات کے حوالے سے تعزیتی پیغام نشر کیا گیا جس میں ان کی خدمات کی قدردانی کی گئی تھی اور اللہ تعالی سے ان کے لیے جنت الفردوس کی دعا کی گئی تھی۔

اللہ تعالی مرحوم پر رحم فرمائے اور ان کی خدمات قبول فرمائے
اور انہیں بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین یارب العلمین

تحریر عبدالروؤف حکمت





مولوی میر احمد گل ہاشمی شہید رحمہ اللہ

بہادری، ہمت، شجاعت اور روحانیت کے عظیم مینار مولوی میر احمد گل ہاشمی شہیدؒ کو نذرانہ عقیدت

مولوی میر احمد گل ہاشمی شہید رحمہ اللہ افغانستان کے مجاہد پرور زمین کے عظیم سپوت تھے۔ میرے پاس ان کی دینی غیرت، جہادی خدمت، اور قربانیوں کے تذکرے اور تمثیل کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ کیوں کہ مولوی میر احمد گل ہاشمی کی زندگی، جہاد، طالب علمی، فراغت، سمجھداری، تدبیر اور بالاخر شہادت غرض کوئی بھی پہلو چھیڑا جائے تو وفا، دیانت، اطاعت، متانت اور اسلامی جذبہ خودداری کے لاتمناہی باب ملیں گے۔

میں نے درجہ بالا الفاظ لکھنے کی جرات اسی لیے کی ہے کہ میرے سامنے شہید کی زندگی کے قیمتی لمحات اور کارنامے موجود ہیں۔ کیوں کہ ہم نے کئی سال زمانہ طالب علمی ایک ساتھ گذارا ہے، ہم درس رہے ہیں۔ اللہ تعالی نے انہیں خصوصی جہادی اور سیاسی فراست سے نوازا تھا اس لئے وہ میرے جہادی رہنما بھی رہے۔

ان کی سیاسی اور جہادی زندگی غیرت، بہادری، اطاعت اور برداشت سے بھرپور تھی۔

امارت اسلامیہ افغانستان کے قیام اور اٹھان سے قبل جب افغانستان کے ہر صوبے کے لیے اہل سنت والجماعت اتحاد کی بنیاد رکھی گئی تو میر صاحب صوبہ لوگر کی کابینہ میں ممتاز خدمات سرانجام دینے لگے۔ امارت اسلامیہ کے طلوع، حاکمیت اور امریکی جارحیت کے دوران اور پھر شہادت تک انہوں نے مختلف اہم ذمہ داریاں نبھائیں۔ اس مقدس راہ میں تکالیف، زخم اور جیلوں کے طرح طرح کے مراحل گذارے۔ اللہ تعالی نے تمام ادوار اور مراحل میں انہیں کامیاب رکھا۔

میر احمد گل ہاشمی کون تھے؟

مولوی میر احمد گل ہاشمی شہیدؒ مرحوم میر عبداللہ کے بیٹے تھے۔ نسباسادات تھے۔ ۴۲ سال قبل صوبہ لوگر مرکز کے مضافاتی گاوں پادخواب شانہ میں آنکھیں کھولیں۔ والد محترم اور دادا روحانی ہستیاں اور مستجاب الدعوات بزرگ رہے تھے۔ عوام اور خواص میں انہیں خاص مقام حاصل تھا۔

تعلیم اور تدریس:

زمانہ طالب علمی اور پھر فراغت کے بعد کی زندگی سب کے سب خاکساری، ادب اور محبت سے بھرپور رہی۔ اپنے دور میں ممتاز اور ذہین طلبہ میں سے سمجھے جاتے تھے۔ اور جو کتابیں اساتذہ سے پڑھتے اللہ تعالی نے ان کتابوں کی تدریس کی قوت بھی انہیں عطا کی تھی۔ میر صاحب شہید نے اپنے ہاتھوں لکھی ہوئی سوانح اور آپ بیتیوں میں لکھا ہے کہ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی سے حاصل کی ہے۔ ثانوی تعلیم پڑوسی ملک پاکستان میں مختلف دینی مدارس سے حاصل کی ہے اور دستار فضیلت دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں باندھی ہے۔

اللہ تعالی کے دین کا یہ نامور سپاہی جن کا تعلق ایک بزرگ اور روحانی خاندان سے تھا مگر ساری زندگی کسی نے ان سے نہیں سنا یا محسوس نہیں کیا کہ انہوں نے کہا ہو کہ میں سید، ہاشمی یا بڑے علمی اور روحانی مرتبے کا مالک ہوں۔ اور میرا احترام کیا جائے۔ ہر استاد کے ہاتھ کو بوسہ دیتے حالانکہ اساتذہ ان سے کہتے کہ دیکھو تم سید ہو ہمارے ہاتھ مت چومو ۔ مگر میر صاحب کا کمال تھا کہ ساری زندگی اپنے اساتذہ سے اسی ادب، عقیدت اور عاجزی سے ملتے رہے۔

ان کے ایک استاد شیخ القرآن والحدیث مولانا محمد اسماعیل رحمانی کہتے ہیں:
مولوی میر احمد گل ہاشمی نے ان سے بہت سی کتابیں پڑھیں، باوجود اس کے کہ انتہائی ذہین تھے، مضبوط مطالعہ کرتے، وقت کبھی ضائع نہیں کرتے تھے، کتاب، مدرسے اور اساتذہ سے بے انتہا محبت رکھتے تھے۔ کبھی کبھی ساتھی ان سے کہتے کہ میر صاحب تم سادات ہو کوئی تعویذ دو یا کوئی دم کر دو۔ وہ مسکرا کر کہتے مجھے سب آتا ہے، اور ہر طرح کے تعویذ کی اجازت بھی حاصل ہے اور اللہ کے فضل سے میری تعویذ موثر بھی ہے مگر اس میدان میں بہت سے لوگ ہیں۔ وہی کافی ہیں۔ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔

میر صاحب کی زندگی کا سیاسی اور جہادی پہلو:

میر صاحب نے زمانہ طالب علمی کے دوران جب ان کی جوانی عروج پر تھی جہادی اور عملی جدوجہد سے انہیں خاص لگاؤ تھا۔ زمانہ طالب علمی کے سالانہ تین ماہ کی چھٹیاں دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ روسیوں اور ان کے کمیونسٹ کٹھ پتلیوں کے خلاف جہاد میں گذارتے، اہل سنت والجماعت کی صوبائی انتظامیہ کے اہم رکن تھے۔ مسلمانوں کے درمیان اصلاح، اتحاد اور منکرات کے خاتمے کے لیے انہوں نے بہت سی کوششیں کی۔ ۱۹۹۴ میں جب افغانستان کو شر پسندوں سے نجات دلانے کے لیے اسلامی نظام کے نفاذ کی خاطر عالی قدر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کی قیادت میں طالبان کی اسلامی تحریک کا آغاز ہوا تو میر صاحب ایک مخلص سپاہی اور کارکن کے طور پر میدان میں اترے۔ ان کے محاذ کے ایک قریبی ساتھی مولوی نذیر احمد اخندزادہ نے طالبان تحریک کے آغاز اور میر صاحب کے اخلاص کے بارے میں کچھ یوں کہا:

”غالباً جمعرات کا دن اور تحریک کے طلوع کے تازہ دن تھے، عصر کے وقت میر صاحب ہمارے مدرسے میں آئے، اس وقت ہم سرحد ورسک روڈ کے شیر داد گڑھی میں دار العلوم ضیاء الاسلام میں مقیم تھے۔ مدرسے کے احاطے میں داخل ہوتے ہی مجھے کہا مدرسے کے سارے بڑے طلباء کو مسجد میں جمع کرو۔ ایک انتہائی اہم خبر لے کر آیا ہوں ۔ خود وضو میں مصروف ہو گئے۔ جب طلبہ مسجد میں جمع ہو گئے تو میر صاحب نے اپنی گفتگو شروع کی جس میں تین اہم نکات کی طرف توجہ دلائی۔

اول: میڈیا کے تبصروں اور صحافیوں کی رپورٹوں پر توجہ مت دو کیوں کہ آج کے میڈیا کی حیثیت مغرب کے لاوڈ سپیکر سے زیادہ کچھ نہیں۔ میری بات سنو میں پورے یقین سے کہتا ہوں قندھار میں جو تحریک شروع ہوئی ہے یہ لوگ واقعتاً سچے طالب ہیں۔ ہم نے اس حوالے سے مکمل تحقیق کر لی ہے یہ دینی مدارس کے طلبہ ہیں۔ ملک کو شکست وریخت سے بچانا چاہتے ہیں۔ افغانستان کی صورتحال بہت خراب ہے۔ آپس کے اختلافات نے افغانستان کو اب راکھ کا ڈھیر بنا دیا ہے۔ اسلامی شرائع اور احکام کی توہین کی جارہی ہے، لوگوں کے جان ومال کو خطرات لاحق ہیں۔ جتنا جلد ہو سکے جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہو جاو۔

دوم: ہر صوبے کے طلبہ اپنا ایک عسکری ذمہ دار متعین کر دیں اور کل سے اس ذمہ دار کی قیادت میں افغانستان کی جانب سفر کریں۔

سوم: جن ساتھیوں کے پاس کرائے کے پیسے نہ ہوں وہ کچھ دن صبر کریں اور کچھ ہمدرد مسلمانوں سے جہاد کے لیے چندہ کر کے اس سے اپنے کرائے کا بندوبست کریں۔

اسلام اور راہ جہاد کا یہ عظیم فرزند مختلف محاذوں اور خط اول پر اپنے فداکار مجاہدین کے ساتھ معرکے کے میدان میں اترے اور اکثر اہم خطوط پر جہاں دشمن نے بہت انتظامات کیے ہوتے میر صاحب نے اس کی حفاظت اور دشمن پر فاتحانہ حملوں میں کلیدی کردار ادا کیا۔

مثال کے طور پر کابل کی فتح کی تاریخی جنگ جو ملا بورجان شہید کی قیادت میں انہوں نے پکتیا کے کچھ علاقوں سے شروع کی۔ وہاں سے دشمن کا صفایا کرنے کے بعد مشرق کی فتح اور پھر کابل تک جا پہنچے۔ ان تمام فتوحات میں میر صاحب نے بڑی تکلیفیں برداشت کیں اور جراتوں کی حیران کن داستانیں رقم کیں۔ یہاں تک کہ ملا بورجان کی شہادت کے دن میر صاحب بھی آمنے سامنے فائرنگ میں شدید زخمی ہو گئے۔ اسی طرح میر صاحب تخار کے بنگی کے محاذ پر خط اول پر، لغمان میں دولت شاہ، لوگر میں پل قندہاری، کاپیسا میں تگاب، الہ سائی اور نجراب کے اضلاع میں، شمالی علاقوں میں شکردرہ، چاریکار، پل مٹک اور بگرام دولاری کے خط اول کے محاذوں پر اسی طرح بامیان کے حاجی گگ اور ننگرہار اور کنڑ کے مختلف حصوں میں امارت اسلامیہ کے ایک بہادر جہادی رہنما کی حیثیت سے انہوں نے جراتوں کے ناقابل فراموش کارنامے رقم کیے۔

صلیبی جارحیت اور میر صاحب:

مولوی میر احمد گل شہید نے اپنے ایک لکھے ہوئے انٹرویو میں صلیبی جارحیت کے خلاف جہاد کے آغاز اور حالات کے بارے میں بتاتے ہوئے لکھا ہے: جب امارت اسلامیہ نے صلیبی جارحیت کے باعث شہروں سے ملک کے دور دراز اور قبائلی علاقوں کی جانب عقب نشینی کرلی تو ساتھی منتشر ہو گئے۔ جب تک ساتھی پھر سے مربوط ہو کر منظم ہوتے اس میں چند ماہ لگے۔ مختصر وقفے کے بعد عملی جہاد کا آغاز کر دیا اور ضلع لوگر کے تمام علاقوں میں باوجود اس کے کہ حالات انتہائی پیچیدہ اور حساس تھے مگر ساتھیوں کی ہمت اور عوام کا تعاون اور اخلاص تھا کہ جارحیت پسندوں پر حملے شروع ہو گئے۔

مجاہدین نے لوگر میں ایسے حالات میں مکار دشمن پر حملے شروع کئے جب ان کا میڈیا مسلسل یہ پروپیگنڈہ کر رہا تھا کہ امریکی اور دیگر بیرونی فوجیوں کی گاڑیوں اور ٹینکوں وغیرہ پر کوئی اسلحہ بھی موثر نہیں ہوتا۔ جو بھی امریکی اڈوں کے قریب جاتا ہے یا حملے کی کوشش کرتا ہے وہ کئی کلو میٹر دور سے انہیں دیکھ لیتے ہیں۔ B52 طیاروں سے زمین پر ایک یا دو انچ کی چیز بھی دیکھ سکتے ہیں اور نشانہ بنا سکتے ہیں۔ مگر یقین کریں ہمارے لیے یہ سارے پروپیگنڈے ایک ایک جھوٹ ثابت ہو گئے۔

ضلع لوگر کے ایک معروف مجاہد جو اب امارت اسلامیہ کی تشکیلات میں ضلع غزنی کے جہادی ذمہ دار ہیں مولوی محمد قاسم صمیم کہتے ہیں:

جب صلیبی جارحیت کو ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے میر صاحب لوگر میں ہمارے گھر آئے ان کے ہمراہ ضلع چرخ کے مولوی احمدی صاحب بھی تھے۔ میر صاحب نے کہا کہ ہمیں صلیبی جارحیت پسندوں کے خلاف جہاد شروع کر دینا چاہیے۔ میں نے کہا کچھ عرصہ انتظار کرتے ہیں تاکہ حالات کچھ واضح ہو جائیں۔ مگر میر صاحب نے کہا کہ انتظار کرنا گناہ ہے۔ جہاد فرض عین ہے، اپنی استطاعت کے مطابق جہاد کو ترتیب دے دینا چاہیے۔ بس اس کے بعد ہم نے احمد صاحب اور ضلع چرخ کے مولوی محمد شہید رحمہ اللہ کے تعاون سے ایک راکٹ لانچر اور دو کلاشنکوف حاصل کر لیے۔ پہلی بار ہم نے ضلع چرخ کی عمومی شاہراہ پر رات کے ایک بجے گھات لگایا۔ جب دشمن کی گشت کی گاڑیاں وہاں پہنچیں ہم نے نعرۂ تکبیر کے ساتھ راکٹ فائر کیا۔ جس میں جارحیت پسندوں کی ایک جیپ مکمل تباہ ہو گئی۔ اس کے بعد برکی برک اور مرکز کے پل عالم کے علاقے کے مضافات میں بم دھماکوں اور ہاوان کے حملے کیے۔ اس طرح میر صاحب کی کوششوں سے لوگر میں جہادی تحریک زندہ ہو گئی۔

جہاد کے آغاز کے بعد پہلی کارروائیوں متعلق میر صاحب نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا:
پہلی بار ہم نے لوگر کے تنگی اور اغجان کے علاقے میں صلیبی فوجیوں کے ایک کانوائے پر کار بم دھماکہ کیا جس میں کئی گاڑیاں تباہ ہو گئیں اور بہت سے فوجی ہلاک اور زخمی ہو گئے وہ بم مجاہدین نے خود بنایا تھا اور اس کا ریموٹ کارڈلیس ٹیلیفون سے بنایا گیا تھا۔ میں نے اسی وقت اپنے ساتھیوں سے کہا امریکی جھوٹ آپ لوگوں نے دیکھ لیا۔ کس طرح طالب کے ہاتھوں بنائے ہوئے بم نے ان پر موت نازل کر دی اور ان کی ساری تدبیریں الٹی ہو گئیں۔ اسی طرح ایک رات میں اور ہمارے کچھ ساتھی پاد خواب شانہ اور ابچکان کی دشت میں امریکی فوج کی ایک کیمپ کے قریب اس پر مارٹر فائر کرنے کے لیے گئے۔ رات کے ایک بجے کا وقت تھا۔ ہم راکٹ لوڈ کر رہے تھے کہ ایک امریکی ہیلی کاپٹر ہمارے اوپر سے گذرا اور کیمپ کے گرد چکر لگانے لگا۔ مجھے خان محمد شہید اور طالب شہید نے کہا میر صاحب ہیلی کاپٹر نے ہمیں دیکھ لیا ہے اور پھر سے گھوم کر ہم پر حملہ کرے گا۔ میں نے کہا ہیلی کاپٹر کیمپ کے اوپر اپنے معمول کے گشت پر ہے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ایسا ہی ہوا۔ ہیلی کاپٹر نے کیمپ کے اوپر چند چکر لگائے اور پھر گردیز کی جانب چلا گیا۔ پھر ہم نے کیمپ پر راکٹ فائر کیے اور بھاری نقصان پہنچایا۔ میر صاحب نے کہا میں نے اسی وقت اپنے ساتھیوں سے کہا اللہ تعالی کے فضل سے امریکیوں کا ایک اور جھوٹ ثابت ہو گیا۔ ہم نے دیکھ لیا کہ کیمپ سے چند سو کلو میٹر کے فاصلے پر بھی وہ ہمیں دیکھ نہ سکے۔

میر صاحب لکھتے ہیں: پھر ہم دن بدن بااعتماد ہونے لگے اور ہمارے حوصلے بڑھنے لگے، ہر جگہ دشمن پر فیصلہ کن حملے اور کارروائیاں ہونے لگیں۔

ذمہ داریاں:

باوجود اس کے کہ شہید میر صاحب لوگر کے مجاہدین کے ایک معروف اور مقبول رہنما تھے اور سینکڑوں سر بکف مجاہدین ان کے زیر کمان تھے مگر انہوں نے کبھی اس کی پروا نہ کی کہ انہیں بڑا عہدہ دیا گیا یا چھوٹا، اطاعت اور خدمت کا جذبہ ان کی رگوں میں ہمیشہ خون کے ساتھ دوڑتا رہا۔ جب طالبان کی تحریک پکتیا پہنچی ضلع سید کرم جو بدامنی سے بھرا علاقہ تھا یہاں تک کہ پکتیا کے مرکز گردیز کو اس بدامنی سے خطرات لاحق ہو جاتے تھے۔ امارت اسلامیہ کی جانب سے میر صاحب کو اپنے سر فروش ساتھیوں کے ہمراہ وہاں بھیجا گیا۔ قیادت نے اس نیت سے انہیں وہاں بھیجا کہ ان کے ساتھی وفادار اور بہادر ہیں، خود میر صاحب کا جنگی تجربہ بھی زیادہ ہے اس لیے انہیں ضلع سید کرم کا پولیس سربراہ متعین کیا گیا۔ ایک شخص نے ان سے کہا کہ میر صاحب آپ کے پاس درجنوں کی تعداد میں وفادار اور بہادر مجاہدین ہیں۔ آپ کا بڑا نام اور بڑی حیثیت ہے۔ آپ صرف ضلع سید کرم کے پولیس سربراہ بننے پر رضامند ہو گئے ہیں۔ آپ کو تو پورے صوبہ پکتیا کا گورنر ہونا چاہیے تھا۔ میر صاحب نے مسکرا کر جواب دیا قیادت نے اسی کو ضروری سمجھا ہو گا، یا مجھ میں صلاحیت اور طاقت اتنی ہی انہیں نظر آئی ہو گی، دوسری بات یہ کہ تحریک ہمارا گھر ہے اس کے سارے چھوٹے اور بڑے عہدے ہمارے ہیں۔

اسی طرح امارت اسلامیہ کے دور حکومت میں جب مولوی خوشحال ملنگ شہید کاپیسا کے گورنر اور مولوی محمد شریف سعید شہید ان کے نائب تھے میر صاحب عسکری ذمہ داریوں کے علاوہ صوبائی مستوفیت کے بھی ذمہ دار تھے۔ اسی طرح غزنی چھاونی کے نائب سربراہ، ننگرہار کے چند سو ریزرو فوج کے سربراہ اور ضلع چپرہار کے ضلعی گورنر کے طور پر بھی انہوں نے پوری دیانت اور جذبہ خدمت کے ساتھ کام کیا۔

صلیبی جارحیت کے بعد میر صاحب مرحوم پانچ سال کے لیے لوگر کے ذمہ دار کے طور پر متعین ہوئے اور پوری ہوشیاری اور بہادری سے اس عرصے میں جہاد کی رہنمائی کرتے رہے۔اس کے ساتھ عمومی عسکری کمیشن کے رکن بھی رہے۔کچھ عرصہ کے لیے پرائیوٹ اداروں کے کمیشن کے سربراہ بھی رہے۔اس کے بعد دو مرتبہ صوبہ ننگرہار کے گورنر بھی بنے۔ ننگرہار کی گورنری کے دوران میر صاحب جنگ میں گرفتار ہوگئے اور شدید تکالیف برداشت کیں۔آزادی کے بعد دوسری مرتبہ پھر ننگرہار کے گورنر بنے۔ بالآخر شہید بھی اسی حال میں ہوئے جب وہ ننگرہار کے گورنر تھے۔

میر صاحب کی بہادری کا دلچسپ واقعہ:

مولوی محمد قاسم جو میر صاحب زمانہ طالب علمی کے قریبی ساتھی رہے کہتے ہیں کہ طالب علمی کے زمانے میں ہم پشاور بورڈ کے علاقے میں ایک مدرسے میں پڑھ رہے تھے۔ مدرسے کے برابر میں ایک کھلا میدان تھا۔اس علاقے میں ننگرہار کا ایک قبائلی رہنما بھی رہتا تھا۔ایک رات اس کے بیٹے کی شادی تھی۔رقص وسرود کی محفل تھی اور مجرے کے لیے رقاصاوں کو بھی لایا گیا تھا۔ طلبہ رات کو مطالعہ کر رہے تھے مگر موسیقی کی آواز اتنی اونچی تھی کہ ہمارے لیے پڑھنا مشکل ہو گیا۔اسی وقت میر صاحب آئے، مجھے اور دیگر ساتھیوں سے کہا کہ یہ انتہائی کمزوری ہو گی کہ ہمارے پڑوس میں یہاں موسیقی اور مجرے کی محفلیں سجائی جائیں اور ہم کچھ بھی نہ کہیں۔ آؤ اس پر حملہ کریں اور ان بدکاروں کو اس میدان سے بھگا دیں۔ میں نے کہا یہ کیسے ممکن ہو گا کیوں کہ انھوں نے اپنے لیے حفاظتی انتظامات کیے ہوں گے اور ہم خالی ہاتھ ہیں۔ میر صاحب نے کہا مدرسے کے احاطے میں اینٹیں رکھی ہیں یہ اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور حملہ کر دیتے ہیں۔ بعد ازاں میر صاحب نے بہت سے طلبہ کو جمع کیا، حملے کی ترتیب بنائی اور رات کو ایک بجے موسیقی اور مجرے کی اس محفل پر حملہ کر دیا۔اللہ تعالی کی نصرت سے میر صاحب اپنے اس مخلصانہ کام میں کامیاب ہو گئے اور وہ حرام کی محفل اجڑ گئی۔لوگ علاقے سے بھاگ گئے۔ یہ ان کے جراتمندانہ کردار کی ایک جھلک تھی۔

میر صاحب کی برداشت اور استقامت:

میر صاحب صرف عام حالات میں بہادر اور ہوشیار نہیں تھے بلکہ مشکل حالات کا بھی جب سامنا ہوتا تو وہ صبر ، استقامت اور حوصلے سے کام لیتے۔ان کے موقف میں تزلزل یا بے جا تغیر نظر نہ آتا۔ ہمیشہ ساتھیوں کو حوصلہ بلند رکھنے کی باتیں کرتے، خوف اور وہم کی باتیں کبھی ان کی زبان پر نہ آتی تھیں۔امریکی جارحیت کے ابتدائی ایام تھے۔ یعنی تقریبا تین یا چار ماہ گذرے تھے۔اکثر ساتھی منتشر اور ایک دوسرے سے بے خبر تھے۔دشمن کا پروپیگنڈا ابھی عروج پر تھا۔ میں راقم بھی گھر میں روپوش تھا۔اور یقین کریں مجھے ایک قسم کی ذہنی تکلیف لاحق ہوگئی تھی کہ اب کیا ہوگا۔ایک دن عصر کے وقت ایک مجاہد میرے گھر آیا اور کہا کہ میر صاحب یہاں آئے ہیں اور شام کو یہاں آئیں گے۔ ہمیں اس کا انتظار تھا کہ میر صاحب جس راستے سے آئیں گے ایسا نہ ہو کوئی انہیں دیکھ لے۔ شام کو جب اندھیرا ہو گیا میر صاحب ہمارے گھر کے سامنے ایک پہاڑی پر سے نمودار ہوئے اور اتر کر پیدل ہمارے گھر کی طرف آنے لگے۔انہیں دیکھ کر مجھے ایک طرف تو خوشی ہو رہی تھی مگر دوسری طرف تشویش، کہ کہیں ان کی نگرانی نہ کی جارہی ہو کیوں کہ امریکی ہیلی کاپٹروں کا گشت مسلسل جاری رہتا تھا۔ میں نے حیرت سے کہا پہاڑی کے پیچھے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر امریکی کیمپ قائم ہے تم وہاں سے کیسے گذرے۔ ہنس کر کہا اسی طرح پیدل اس کے پاس سے گذر کر آیا ہوں، میرا مقصد یہی تھا کہ کیمپ کا کچھ اندازہ ہو جائے تاکہ رات کو کبھی کبھی کوئی مارٹر فائر کرنا ہو تو آسانی رہے۔ پھر انہوں نے سقوط کے دنوں کے دردناک واقعات سنائے،اس کے بعد کچھ قائدین اور ساتھیوں کے روابط کا ذکر کیا۔اس طرح عملی جہاد کا عزم ظاہر کیا اور اپنے آنے کا مقصد بھی یہی ظاہر بتایا۔ پھر میں نے ان سے چند سوالات پوچھے کہ میر صاحب یہ کیسے ممکن ہے کہ اس طرح کے حالات میں جب امریکی اجازت کے بغیر کوئی پرندہ پر نہیں مار سکتا، سارا ملک امریکی جاسوسوں کے نرغے میں ہے۔امریکی وسائل دیکھو اور ادھر نہتے مجاہدین!

مضبوط اعصاب کے مالک میر صاحب نے میرے مزاج کے مطابق اعتماد اور حوصلے کے ایسے کچھ واقعات سنائے کہ میری رگوں میں خون دوڑنے لگا اور میرا ذہن اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ پھر سے عملی مزاحمت شروع کردیں۔ میر صاحب کی اس مجلس کا خلاصہ یہ تھا ہماری دعوت صرف ایک ہے۔ جسے قوم اور عوام نے ہمارے ساتھ تسلیم کر لیا۔ عوام اور امت مسلمہ کو ہم اپنی غیرت کا امتحان دے چکے ہیں۔ اب دشمن کا صرف ایک رعب اور خوف طاری ہے۔ اس کا خاتمہ بہادری سے ہو گا جب مجاہدین چند کارروائیاں کریں گے اور امریکیوں کا ناپاک خون زمین پر گرے گا تو اللہ تعالی مہربان ذات ہے کام بن جائے گا۔ میرے خیال اسی رات کے بعد میر صاحب نے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ پہلی بار امریکیوں کے بڑے کیمپ خدر پر حملے کیے۔ ہر رات کو مارٹر کے گولے فائر کر کے کیمپ کو نشانہ بنایا جاتا۔ اسی آغاز نے عوام اور مجاہدین کے ذہنوں میں یہ حوصلہ بڑھا دیا اور یہ بات بٹھا دی کہ امریکیوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

میر صاحب دو مرتبہ گرفتار ہوئے۔ ان کے جیل کے ساتھی موسی فرہاد کا کہنا ہے کہ دوران قید انہیں ایک انتہائی سخت مقام میں ڈالا گیا تھا۔ اس عرصے میں انہیں بہت زیادہ تکلیفیں دی گئیں۔ اس دوران ان کا وزن ۱۰۰ کلو سے کم ہو کر ۶۰ کلو تک آ پہنچا۔ ان کا جسم انتہائی کمزور ہو گیا تھا۔ جن لوگوں نے انہیں پہلے دیکھا تھا ابھی دیکھ کر وہ پہچان ہی نہ سکے کہ یہ وہی میر صاحب ہیں۔ مگر باتیں اور ہنسی مذاق میں وہ وہی شخص تھے۔ کسی طرح کی تکلیف وہ محسوس نہیں ہونے دیتے تھے۔ ہر ایک کو تسلی دیتے، کبھی جیل کا سربراہ یا کوئی افسر آتا تو وہ ان سے دوٹوک انداز میں واضح بات کرتے۔ مگر بداخلاقی سے احتراز کرتے۔ ساتھیوں سے کہتے کہ ایسی کوئی حرکت ہرگز نہیں کرنا کہ جس سے ہم انہیں کوئی بے آبرو اور آوارہ لوگ یا گھبراہٹ کا شکار نظر آئیں۔ ان سے پوری نزاکت، احترامانہ لہجے اور اخلاق کے ساتھ واضح حقائق بیان کرتے ہوئے بات کریں جب تک وہ ہم سے بداخلاقی یا بے احترامی سے پیش نہیں آتے۔

فرہاد کے بقول خلاصہ یہ کہ میر صاحب شہید مدبر، ہوشیار اور تقوی دار شخص تھے۔
عبادت بہت زیادہ کرتے تھے۔ بہت کم وقت میں جب وہ جیل سے نکل رہے تھے
انہوں نے ۲۵ پارے قرآن کریم حفظ کر لئے تھے۔ اللہ تعالی ان کی تمام تکالیف اور
قربانیاں قبول کرے۔

شہادت:

راہ اسلام کا یہ عظیم مجاہد اور امارت اسلامیہ کا یہ معروف رہنما جن کی جہادی خدمات اور
کارناموں نے اسلام اور افغانستان کے دشمنوں کی آنکھوں میں کانٹے بچھا دیے تھے
دشمن ان کی شخصیت برداشت نہ کر سکی۔ بالا خر انہیں رواں ہجری قمری سال ۱۴۳۶
کے ۲۴ شعبان المعظم کو جمعہ کے دن پشاور میں ایک بزدلانہ حملہ میں شہید کر دیا گیا۔
اللہ تعالی ان کی شہادت قبول فرمائے اور انہیں بلند درجات عطا فرمائے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون



میر احمد گل ہاشمی صاحب کی نماز جنازہ ان کے آبائی گاوں میں ہزاروں افراد کی موجودگی
میں ادا کی گئی۔ اور پھر انہیں اپنے گاوں پاد خواب شانہ کی جامع مسجد اور مزار کے
احاطے میں اپنے علاقے کے عظیم ولی اللہ میر سید ولی کے مزار کے برابر میں دفن کیا گیا
ان کی روح شاد، جہادی کارنامے تا ابد یادگار اور مشعل راہ رہیں۔ آمین
میر صاحب کے پسماندگان میں ۵ بیٹے ہیں جن میں سے بڑے صاحبزادے رفیع اللہ ہاشمی
ان کے جانشین ہیں ۔

تحریر ملا خبیر احمد مجاہد



شیخ الشہداء مولانا عبداللہ ذاکری رحمہ اللہ

ایک شخصیت، ایک زندگی، جس کی یادیں باتیں ابھی تک دلوں میں مہک رہی ہیں۔
صدیوں سے امت مسلمہ بڑے بڑے مصائب اور آزمائشوں کا شکار ہے۔ یورپ کی صنعتی اور سائنسی ترقی کے بعد پوری اسلامی دنیا کفریہ جارحیت خصوصا یورپیوں کے عسکری، سیاسی، فکری اور اقتصادی استعماری پنجوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ مگر امت مسلمہ کی اس بری حالت اور مسلمانوں کی محکومیت کے خلاف پوری امت خاموش نہیں بیٹھی، بلکہ امت کی صفوں میں ایسے علماء، مفکرین، مجاہدین، مصنفین اور دیگر بااحساس و باادراک لوگ ہمیشہ سے موجود رہے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی مسلمانوں کی بیداری اور کفر کے خلاف مزاحمت کے لیے وقف کردی ہے۔
اگر افغانستان کی سطح پر بات کی جائے تو کفر مخالف مزاحمت کے سلسلے میں ایک قابل فخر اور راہنما مولانا عبداللہ ذاکری صاحب کی شخصیت نظر آتی ہے، جنھوں نے کمیونزم کی یلغار کے بعد سے امریکی جارحیت اور شکست کے تمام ادوار میں ایک بیدار مغز اور باادراک رہنما کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری نبھائے رکھی۔ شیخ عبداللہ ذاکری صاحب کا یہ جہادی اور دعوتی موقف تھا، جس نے کفر کے اسٹریٹجک پالیسی سازوں کو بے چین اور پریشان کرر کھا تھا۔ اس لیے آخر میں ایک شیطانی چال چل کر ایک قاتلانہ حملے میں امت مسلمہ کے اس قابل فخر رہنما کو شہید کر دیا گیا۔ ذاکری صاحب مرحوم کی شہادت کی پہلی برسی کی مناسبت سے اُن کی حیات اور کارناموں کی مختصر رُوداد میں آپ کو شریک کیا جارہا ہے۔

پیدائش:

عبداللہ الذاکری صاحب ۱۳۵۳ھ بمطابق ۱۹۳۴ کو افغانستان کے صوبہ قندہار کے قریب ''ذاکر شریف'' کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ میاں نظام الدین اور دادا کا نام شیخ میاں خیر الدین تھا۔

زندگی کے ابتدائی مراحل:

ذاکری صاحب کا خاندان کئی صدیوں سے اسی علاقے میں علم اور تصوف نمایاں مقام رکھتا ہے۔ ان کے آباء واجداد میں کئی پشتوں تک علماء، مشائخ، اور صوفیائے کرام کا سلسلہ چلتا رہا ہے۔ ذاکری صاحب نے چار سال کی عمر میں اپنے والد کے زیر سایہ علمی سفر کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ اپنے علاقے میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد حصول علم کے لیے سفر کیا۔ قندہار اور آس پاس کے دیگر علاقوں میں مختلف مدارس کے علاوہ غزنی میں بھی حصولِ علم میں مشغول رہے۔ اسی طرح پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں علم حاصل کرتے رہے۔ ۲۱ سال کی عمر میں دینی علوم کی رسمی تعلیم سے فراغت کے موقع پر قندہار کے جید علمائے کرام اور مشائخ سے دستار فضیلت حاصل کی۔

تعلیم وتزکیہ اور تبلیغی زندگی:

جس طرح شیخ ذاکری صاحب کا ایک علمی خاندان تھا، اسی طرح تصوف اور تزکیے کے شعبے میں بھی انھوں نے بہترین خدمات انجام دیں ہیں۔ ان کے خاندان کے بزرگ عوامی اصلاح اور امور تزکیہ میں سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ بانوریہ کے افراد تھے۔ ذاکری صاحب اپنی عین نوجوانی کے ایام ہی سے اس راہ کے ایک سالک کی حیثیت سے طریقت میں داخل ہوئے۔

یہاں تک کہ علم کے سفر کے خاتمے کے ساتھ ہی طریقت کا سلسلہ بھی اختتام کو پہنچا اور اُنہیں نقشبندیہ سلسلے میں خدمات کی اجازت مل گئی۔ انہوں نے فراغت کے بعد تدریس اور اصلاح کے علاوہ تبلیغ کا بھی آغاز کر دیا۔ یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ وہ پہلی شخصیت تھے، جنہوں نے قندہار میں دعوت و تبلیغ کی وہ پہلی جماعت بلائی، جس کی بنیاد ہندوستان کے عظیم عالمِ دین مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ نے رکھی تھی۔ اور پوری دنیا میں تبلیغ کے کام کا آغاز کر دیا تھا۔ اس سے قبل افغانستان میں لوگ دعوت و تبلیغ کی جماعتوں کو شک اور بدگمانی کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے، مگر ذاکری صاحب نے ہمہ پہلو تحقیق کے بعد انہیں قندہار شہر میں دعوت دی۔ اس طرح لوگوں کا اعتماد ان جماعتوں پر بحال ہوا اور شیخ صاحب نے اپنے مدرسے کو دعوت و تبلیغ کا مرکز بنا دیا۔ اسی طرح ذاکری صاحب نے علمی خدمات کے سلسلے میں قندہار کے کابل دروازے میں "دارالعلوم صدیقیہ" کے نام سے ایک بڑے مدرسے کی بنیاد رکھی۔ جس نے بہت عرصے تک دینی علم کی اشاعت میں بڑی خدمات انجام دیں ہیں۔ اس مدرسے میں مولوی محب اللہ اخندزادہ، مولوی عبدالغفور سنانی، محمد رسول اخندزادہ اور مولوی عبیداللہ ایوبی جیسے اپنے دور کے کبار علمائے کرام مدرسین کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔

اگرچہ ظاہر شاہ کے دورِ بادشاہت اور پھر داؤد خان کے دورِ جمہوریت میں دینی مدارس اور علمائے کرام کے خلاف مشکلات اور مسائل کا بند توڑ دیا گیا تھا، مگر ذاکری صاحب نے پوری بہادری اور تدبر سے سرخ انقلاب تک اپنا مدرسہ فعال رکھا اور انہی حالات میں دینی علوم کی اشاعت میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔

کمیونسٹوں کی جارحیت اور شیخ صاحب کی اسارت:

کمیونسٹ انقلاب کے بعد جب وہ اقتدار لوٹ کر لے گئے تو اُن کا پہلا کام مدارس اور دین دار شخصیات پر حملہ تھا۔ کمیونسٹوں کی جارحیت کے دو ہفتے بعد ملک کے ہزاروں علمائے کرام اور مشائخ کی طرح شیخ ذاکری صاحب بھی گرفتار اور ان کا مدرسہ بند کر دیا گیا۔
کمیونسٹوں کی جانب سے پہلی بار گرفتاری کے موقع پر شیخ صاحب چالیس روز قندہار جیل میں رہے۔ مگر اُنہیں کچھ عرصے بعد پھر گرفتار کر لیا گیا۔ اس بار ساڑھے دس ماہ قندہار اور کابل میں کمیونسٹوں کے وحشیانہ عقوبت خانوں میں پابندِ سلاسل رہے۔
شیخ صاحب کا قندہار جیل میں تاریخی اور جرأت مندانہ کردار آج تک ان کے رفقاء کو یاد ہے۔ اس حوالے سے ان کے قیدی ساتھی قاضی عبید الرحمن صاحب کہتے ہیں:
"میں قندہار جیل میں تھا۔ یہ کمیونسٹوں کا جیل تھا، جہاں ایک عام سپاہی کے ہاتھوں بھی قیدیوں کو مارنا، پھانسی دینا یا سخت ترین اذیتیں پہنچانا روز کا معمول تھا۔ ہر معمولی کمیونسٹ کو اس کا پورا پورا اختیار تھا۔ جیل میں شدید وحشت طاری تھی۔ کوئی آواز نہیں اٹھا سکتا تھا اور نہ کمیونسٹ جلادوں کے سامنے کسی کو کچھ کہنے کی جرأت تھی۔ مگر ایک دن ایک ایسے آدمی کو جیل لایا گیا، جس نے دیگر قیدیوں کو بھی حوصلہ دیا اور جیل کی حالت بدل کر رکھ دی۔ یہ عبداللہ ذاکری صاحب تھے۔ ان پر سخت ترین تشدد کیا گیا تھا۔ پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں پشت کی جانب ہتھکڑیاں لگائی گئی تھیں۔ مگر وہ اپنی پوری قوت سے کمیونسٹوں کے خلاف تنقید جاری رکھتے، جس کا کوئی اُس وقت تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ انہیں منہ پر کافر اور روس کا غلام کہتے تھے۔ کھلے عام جہاد کی باتیں کرتے۔ ان سے مباحثے کرتے اور انہیں دھمکاتے رہتے۔ کمیونسٹوں نے ہر طرح کے مظالم ڈھا کر کوشش کی کہ ان کا منہ بند کر دیں، مگر انہیں کامیابی نہ ملی۔ وہ اِنہیں قتل کی دھمکی دیتے تو یہ جواب میں بہت واضح انداز میں شہادت کی تمنا کرنے لگتے۔
قیدی پہلے کمیونسٹوں کے خوف اور دہشت سے نماز ادا نہیں کر سکتے تھے۔

ذاکری صاحب نے قندہار جیل میں پہلی بار اذان دی اور جماعت سے نماز پڑھانی شروع کر دی۔ یوں بہت سے قیدی ان کی امامت میں نمازیں پڑھنے لگے۔ ذاکری صاحب ایسے شہید ہیں، جن کے احسان سے لوگ سَر اُٹھا کر جینے کے قابل ہوتے ہیں۔"

قندہار کے رہائشی مولوی عبدالستار صاحب اُن کے جرأت مندانہ کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: "جیل میں جہادی موقف رکھنے کے باوجود ایک مرتبہ کمیونسٹ گورنر انجنیئر ظریف، ان کے وزراء اور دیگر کمیونسٹ حکام کی جانب سے انہیں طلب کیا گیا۔ انہیں مختلف طریقوں سے بے انتہا دولت کے بدلے جہادی موقف سے دست بردار ہونے کا کہا گیا۔ زیادہ دولت اور اونچے مناصب کی پیش کش کی گئی۔ یہاں تک کہا گیا کہ "وزارتِ تعلیم کا قلم دان آپ کے سپرد کیا جائے گا۔ گاڑی اور ذاتی ہیلی کاپٹر دیا جائے گا۔" مگر شیخ صاحب کا موقف ایک ہی تھا کہ اگر تم لوگ اسلام کو مانتے ہو؟ تمہارا قبلہ بیت اللہ اور رہبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو نہ صرف میں بلکہ سارے عوام آپ کے حامی ہیں۔ لیکن اگر آپ کا رہبر لینن، قبلہ ماسکو اور قانون وعقیدہ کمیونزم ہے تو پھر تمہارے خلاف جہاد فرض ہے۔ اگر عوام جہاد چھوڑ بھی دیں تو اس ملک کے شجر و حجر آپ سے لڑیں گے۔ کیوں کہ یہ ایک اسلامی سرزمین ہے، جو کفریہ نظام کو ہرگز قبول نہیں کرتی۔"

قندہار کے شہری حاجی سیف اللہ کامران قندہار جیل میں ذاکری صاحب کے ساتھ ایک بیرک میں رہے تھے۔ وہ کہتے ہیں: "جب قندہار جیل سے کمیونسٹ کسی قیدی کو باہر لے جاتے تو وہ زندہ نہ بچتا۔ ایک رات شیخ صاحب کو دوسرے قیدیوں کے ساتھ باہر نکالا گیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد انہیں واپس لایا گیا۔ ہم نے کئی بار پوچھا کہ واپس کیسے آئے؟ شیخ صاحب نے بتانے سے احتراز کیے رکھا۔ میرے بہت زیادہ اصرار کے بعد بتایا "کہ کمیونسٹوں نے مجھے گاڑی میں بٹھایا اور پھانسی کی جگہ تک لے جانے لگے۔

میں پہلے تھوڑا سا گھبرایا، لیکن عین اسی وقت مجھے محسوس ہونے لگا کہ ہاتف غیبی مجھ سے کہہ رہا ہے لاتخف ولاتحزن نجوت من القوم الظلمین۔ یہی وجہ تھی کہ کمیونسٹوں نے مجھے گاڑی سے اتارا اور واپس جیل بھیج" دیا۔

شیخ صاحب کی جرأت اور بہادری کو دیکھتے ہوئے یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ کمیونسٹوں کی قید سے آزاد ہو جائیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دی اور روسی جارحیت کے تھوڑے عرصے بعد وہ جیل سے رہا ہو گئے۔ اپنے اور گھر والوں کی حفاظت کی خاطر جہاد کے ارادے سے ہجرت کی اور قندھار سے بلوچستان کے شہر کوئٹہ چلے گئے۔

کمیونزم کے خلاف جہاد:

قندھار کے رہائشی ملا محمد رسول صدیقی مدرسے کے دور سے شیخ صاحب کے شاگرد اور خادم کی حیثیت سے ان کے ساتھ رہے۔ وہ تمام جہادی اسفار میں ان کے ہمراہ رہے۔ وہ کہتے ہیں: "جب شیخ صاحب نے پاکستان ہجرت کی تو پہلے جنوب مغربی زون کے ۱۰ صوبوں کے عمومی جہادی ذمہ دار کی حیثیت سے ان کا تقرر کیا گیا۔ وہ مجاہدین کی رہنمائی اور رسد کی فراہمی کی ذمہ داری نبھاتے رہے۔ شیخ صاحب نے یہ ذمہ داری تین ماہ تک نبھائی۔ مگر جب انہیں کچھ کمانڈروں اور مالیاتی امور کے کارکنوں کی خیانت کا علم ہوا تو انہوں نے ان کی بھرپور مخالفت کی۔ ان کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ بات جہادی قائدین تک پہنچ گئی۔ چوں کہ کئی نامور کمانڈر اس خورد برد میں ملوث تھے اور تنظیمی قائدین نے بھی اس پر آنکھیں بند رکھی تھیں، شیخ صاحب نے احتجاجاً اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور کہا: "میں اپنے احاطۂ ذمہ داری میں یہ سب کچھ ہوتا برداشت نہیں کر سکتا۔"

ملا محمد رسول اخند اس حوالے سے ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں:

"ایک بار مجاہدین کے لیے مخصوص پستولیں آئیں تھیں۔ شیخ صاحب چاہتے تھے، یہ پستولیں قندہار شہر اور دیگر شہری علاقوں میں گوریلا مجاہدین کے درمیان تقسیم کی جائیں۔ مگر صوبائی امراء اور کمانڈروں کی کوشش تھی کہ ایک ایک پستول اپنے لیے ذاتی طور پر رکھ لیں۔ شیخ صاحب نے ان کے اس بات کی شدید مخالفت کی اور کہا کہ " آپ لوگوں کو جہادی مال ذاتی طور پر استعمال کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔ مجاہدین کو اسلحے کی ضرورت ہے۔ وہ ان پستولوں سے اسلام کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں اور تم اپنی ذات کے تحفظ کے لیے انہیں اپنے پاس رکھ رہے ہو۔ پہلا حق اُنہیں کا ہے۔" شیخ صاحب نے اس طرح کمانڈروں کے پیچھے اسلحے اور پیسوں کی تقسیم کے حوالے سے حساب کتاب شروع کیا اور بڑے کرپشن کا انکشاف کیا۔ جب انہوں نے تنظیمی سربراہوں کی سرد مہری دیکھی تو اپنے عہدے سے مستعفی ہوگئے۔ استعفاء کے بعد شیخ صاحب نے اپنا ایک دفتر قائم کیا۔ حالانکہ وہ کسی تنظیم کے باقاعدہ رکن یا ممبر نہیں تھے۔ مجاہدین کے ساتھ بلا تفریق مختلف حوالوں سے تعاون جاری رکھتے۔ وہ مختلف کیمپوں کے دورے کرتے، علماء اور عوام کو جہاد کی دعوت دیتے۔ اسی طرح وہ علماء اور مجاہدین، جو غریب اور لاچار ہوتے، ان سے تعاون کرتے۔ وہ دیار ہجرت میں جہادی اور اصلاحی کوششوں کے علاوہ بار بار افغانستان بھی گئے، جہاں وہ براہِ راست جہاد میں حصہ لیتے۔

ملا محمد رسول کہتے ہیں: "انہوں نے پہلی بار ہلمند کا دورہ کیا۔ وہاں رئیس عبدالواحد اور نسیم اخندزادہ کے نام سے دو مشہور کمانڈر تھے، جن کے درمیان اختلافات تھے۔ شیخ صاحب نے اپنی کوششوں سے ان کے درمیان صلح کروائی اور ان کے باہمی نزاع کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد شیخ صاحب افغانستان کے جنوب اور مرکزی علاقوں تک بار بار گئے۔ ایک سفر میں وہ صوبہ زابل گئے، جہاں انہوں نے "ملا مدد" اور دیگر مقامی کمانڈروں سے ملاقاتیں کیں اور وہاں کے جہادی کیمپوں کے دورے کیے۔ قلات، میزانی اور دیگر علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد قندہار گئے۔

اتحادِ علماء افغانستان کی تاسیس:

جب روسیوں کی شکست کے بعد نجیب کے دور اقتدار میں جہادی تنظیموں کے درمیان نفاق اور ذاتی اختلافات کی علامات ظاہر ہونے لگیں، اسی طرح کچھ نئے افکار اور عقائد بھی افغانوں کے درمیان پھیلنے لگے تو ذاکری صاحب نے کئی جید علمائے کرام سے مل کر ان مشکلات کے خاتمے کے لیے سیکڑوں علماء کو جمع کیا۔ایک غیر سیاسی اصلاحی اتحاد کا فارمولہ سامنے رکھا۔اس اتحاد کا مقصد یہ تھا کہ یہ صرف ایک اصلاحی جماعت ہو گی۔ جو معاشرے کی اصلاح، مجاہدین کے درمیان ثالث اور دیگر خیر کے کام انجام دے گی۔ اس اتحاد کے پہلے اجتماع میں ۷۰۰ علمائے کرام نے شرکت کی۔اجتماع میں اتحادِ علماء کا منشور ترتیب دیا گیا، جو ۵ فصلوں اور ۴۴ شقوں پر مشتمل تھا۔

ذاکری صاحب کی قیادت میں ”اتحادِ علمائے افغانستان“ نے افغانستان اور اسلامی دنیا کے مختلف مسائل پر اپنی ذمہ داری بہت احسن طریقے سے ادا کی۔ علمائے کرام کی اس جماعت کے مسلسل اجلاس منعقد ہوتیں رہے۔ان میں مختلف مسائل اور قضیوں کے حوالے سے مباحثے ہوتے رہے۔ پھر انہیں فتوی اور پیغام کی شکل میں نشر کیا جاتا۔ عمومی فقہی مسائل سے لے کر سیاسی واقعات اور قضایا تک اتحادِ علماء افغانستان تمام شعبوں میں لوگوں کی رہنمائی کرتا رہا۔ ۱۹۹۱ء میں خلیجی جنگ کے دوران امریکا نے صدام حسین کو روکنے کے بہانے ہزاروں فوجی جزیرۃ العرب میں داخل کر دیے تھے۔ ذاکری صاحب اور ان کے ساتھیوں نے امریکیوں کے اس اقدام کی شدید مخالفت کی۔ بی بی سی ریڈیو سے گفتگو کرتے ہوئے امریکی فوجیوں کے خلاف امتِ مسلمہ پر جہاد کو فرض عین قرار دیا۔ وہ تنظیمی رہنماؤں کو اس بات پر راضی کرنے کی کوشش کرتے کہ لڑائی اور فساد سے دست بردار ہو جائیں۔ صرف شریعت کے نفاذ کے لیے کام کریں۔ انہوں نے اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری بار بار نبھائی۔ تنظیمی لڑائیوں کے خاتمے کے لیے ۱۱ بار کابل گئے۔ایک مخلص، جرأت مند اور غیور مؤمن کی حیثیت سے تنظیمی جنگجوؤں کو ان کی غلطیوں کی جانب متوجہ کیا اور سمجھایا۔

"اتحادِ علماء افغانستان"کی جانب سے افغانستان پر امریکی جارحیت کی مذمت کی گئی۔ امریکا کے خلاف جہاد کی فرضیت کا فتوی دیا گیا۔ اسی طرح عالمی قوتوں کے اسلام مخالف اقدامات، جیسے توحید کے نام پر گمراہ کن کوششیں، مصر میں ڈاکٹر مرسی کی اسلامی تنظیم کی حکومت کے خاتمے اور اس طرح کے دیگر اہم مسائل کے حوالے سے اپنا مؤقف واضح کیا اور عالمِ کفر کی سازشوں کو بے نقاب کرتے رہے۔ ذاکری صاحب کی قیادت میں علمائے کرام کی اس جماعت نے درجنوں اہم ترین مسائل پر خصوصی تحقیق کی اور ان کا نچوڑ فتوی کی شکل میں لوگوں تک پہنچایا۔ اسی طرح وقتاً فوقتاً اسلامی ممالک کے سربراہان اور معروف و بااثر شخصیات کو بار بار تنبیہی اور اصلاحی خطوط لکھے، جن کی تعداد ۵۰۰ تک ہے۔

امریکا کے خلاف جہاد:

ذاکری صاحب اپنی ذاتی ذمہ داریوں اور مقامی اصلاحی کوششوں کے علاوہ سیاسی مسائل سے بھی بے پروانہ تھے۔ انہوں نے امارت اسلامیہ کے دور حکومت میں مسلسل افغانستان کے اسفار کیے۔ نہ صرف امارت اسلامیہ کے حکام کو اصلاحی دعوت دی، بلکہ امارتِ اسلامیہ کے سربراہ عالی قدر امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد کو بھی ہمیشہ نیکی کی نصیحت کرتے۔ انہوں نے امارت اسلامیہ اور مخالفین کے درمیان کئی بار صلح کی بھی کوششیں کیں۔ جب امریکا نے افغانستان پر حملے کا ارادہ کیا تو شیخ صاحب نے ایک فتوی دیا، جس کی رو سے امریکا کے خلاف جہاد کو فرض عین قرار دیا گیا تھا۔ وہ امریکی جارحیت سے کچھ عرصہ قبل افغانستان گئے۔ ملک کے کئی جنوبی، مرکزی اور جنوب مشرقی صوبوں کا دورہ کیا۔ عام لوگوں اور علمائے کرام سے ملاقاتیں کیں اور جہاد کی دعوت دی۔ وہ امریکا کے خلاف جاری حالیہ جہاد کے شدید حامی تھے۔ مختلف اجتماعات، مجالس، حتی کہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے ہمیشہ امریکا کے خلاف جہاد کی تبلیغ کرتے رہے۔ جارحیت کی موجودگی میں دشمن کے ساتھ کسی بھی قسم کی مصالحت کو اسلامی اصولوں سے سرتابی سمجھتے تھے۔

شیخ صاحب علی الاعلان انتہائی قطعیت سے ان نام نہاد علماء کی مخالفت کرتے تھے، جو امریکی جارحیت کو عالمی تعاون قرار دیتے اور اسے جواز فراہم کرتے ہیں۔ انہوں نے سعودی عرب کے ایک مفتی کے جواب میں، جنہوں نے امریکا کے خلاف جہاد کو ناجائز قرار دیا تھا، کہا کہ یہ ''مفتی صاحب یا تو جاہل اور اسلام سے بے خبر ہیں یا دجال ہیں، جو لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ وہ کفر کا حمایتی اور وکیل بننے کی کوشش کرتے'' ہیں۔ شیخ صاحب نے ۱۹۹۱ میں حجاز کی مقدس سرزمین پر امریکی جارحیت کے خلاف جو فتوی دیا تھا، زندگی کی آخری سانس تک اسی موقف پر قائم رہے۔ امریکا کو امت مسلمہ کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا۔ انہوں نے افغانستان کے مسئلے پر اپنا موقف درج ذیل نکات میں خلاصے کے ساتھ پیش کیا تھا:

۱...امریکا اپنی ناکامی کا اعلانیہ اعتراف کرے۔

۲...اپنی وحشی اور ظالم فوج افغانستان سے نکال دے۔

۳...افغانوں کو اس جنگ میں ہونے والے جانی ومالی نقصان کا تاوان ادا کرے اور افغانستان کے معاملات سے دست بردار ہو جائے۔ افغان عوام اپنی ہمت سے عالمی استعمار کو شکست دے سکتے ہیں۔ اگر عالمی دنیا اس میں مداخلت سے باز آجائے تو یہ اپنے ملک کی تعمیر بھی خود کر سکتے ہیں۔

جب امریکیوں کو دائمی اڈے دینے کا موضوع سامنے آیا تو شیخ صاحب نے انتہائی دوٹوک انداز میں ان اڈوں کی مخالفت کی اور کابل حکام کو خبردار کیا کہ وہ اس معاہدے پر دستخط سے باز آجائیں۔ اسی طرح ذرائع ابلاغ پر اپنے انٹرویوز میں ان اڈوں کی مخالفت میں خصوصی گفتگو کی۔ چوں کہ شیخ صاحب کو ایسے حساس حالات میں نامعلوم قاتلوں نے حملے کا نشانہ بنایا، اس لیے ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ امریکی انٹیلی جنس قاتلوں نے اس اہم مسئلے پر شیخ صاحب کے موقف کی وجہ سے ہی انہیں نشانہ بنایا ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

شیخ صاحب خود کو حرام اور مشتبہات سے محفوظ رکھتے تھے۔ ہمیشہ نیک کام، اذکار، وظائف اور خیر کے کام انجام دیتے تھے۔ اوروں کو بھی ہمیشہ نیک کاموں کا کہتے۔ حرام کاموں کے خلاف انتہائی سرگرمی سے کام کرتے۔ وہ بدعات، غیر شرعی طور طریقوں، مغربی کفریہ افکار، فحاشی، عریانی اور دیگر فتنوں کی روک تھام کے لیے ہمیشہ سرگرم رہتے۔ نہ صرف اپنی باتوں اور مواعظ سے لوگوں کو تنبیہ کرتے، بلکہ فتاوی اور رسائل کی اشاعت سے بھی یہ کوششیں جاری رکھتے۔ انہوں نے فلم سازی، تصویر کشی، ٹی وی، کیبل، غیر اسلامی ممالک سے گوشت کی درآمد، اسی طرح بینک کے سودی نظام، مغربی این جی اوز اور مغربی طریقۂ تعلیم اور دیگر غیر اسلامی تحریکوں کی شدید مخالفت کی۔ انہوں نے اس سلسلے میں ۱۴۳۳ھ کو مساجد میں لوگوں کی نصیحت اور دینی تعلیم کے لیے ایک جامع طریقہ تشکیل دیا۔ علمائے کرام اور ائمہ کو اس کا پابند بنایا کہ اپنی مسجد کے عام لوگوں کو دین کے بنیادی احکامات کی تعلیم اور درس دیں۔

تصنیفات:

شیخ صاحب نے اپنی علمی زندگی میں کئی رسالے اور تصنیفات چھوڑیں ہیں، جن میں سے کچھ کے نام درج ذیل ہیں:

”الاذکار و فضائلها، التصوف و مقاماۃ العشرۃ فی ضوء القرآن والسنۃ، الافتاء فی عدم جواز التصاویر والاوثان، اقوال المفسرین والفقہاء الحنفیۃ فی موجب السعی الی صلوۃ الجمعۃ و ترک التجارۃ، تنبیہ الاخوان علی استماع قرأۃ القرآن، التحقیق الاتم فی مسئلۃ لبس الخاتم، اقوال العلماء فی منع خروج النساء، العجالۃ النافعۃ فی سقی النفس العاطشۃ، تبدیل النسب و مذمتہ فی الاسلام، القول الفاصل بین الحق والباطل، حکم الشوری فی الشریعۃ الغراء، فصل الخطاب فی تشریح الخضاب،

البیان الوافی فی بیان حکم المعازف والمزامیر و الملاہی، حکم الھجرۃ فی الشریعۃ المنورۃ، اشراط الساعۃ، اقوال الاخیار فی تشریح مولد النبی المختار، بیان المغرورین وعلاجھم، اثبات الکرامۃ بالقرآن والسنۃ، علاج الاسقام بالحجامۃ فی الاسلام، القول المفصل فی خواص العسل، الاستشفاء باستعمال الحبۃ السوداء، حکم اللحوم المستوردۃ من دول الکافرۃ، القول الجمیل فی فضیلۃ دعاء الخلیل، زاد الابرار الاستغفار بالاسحار، الدر المکنون فی فضیلۃ دعاء ذی النون علیہ السلام، الاحادیث الشریفہ فی فضیلۃ الحوقلہ وغیرہ۔

شہادت:

ذاکری صاحب ۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ بروز بدھ ظہر کے فرض کے بعد سنتوں کی ادائیگی کے لیے گھر جارہے تھے۔ مسجد کے صحن میں دروازے کے قریب دو نامعلوم افراد کی جانب سے ان پر فائرنگ کی گئی۔ عینی شاہدین کے مطابق صرف "الحمدللہ" کے الفاظ کہے اور قبلہ رخ پر گر گئے۔ انہوں نے جامِ شہادت نوش فرمالیا تھا۔

إنا لله وإنا إليه راجعون

شیخ صاحب کے جنازے کی نماز جنازہ شہادت کے اگلے روز پاکستان میں صوبہ بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ میں ایوب اسٹیڈیم میں ہزاروں شرکاء کی موجودگی میں ادا کی گئی۔ ان کی نماز جنازہ ان کے صاحبزادے عبدالقیوم ذاکری صاحب نے پڑھائی۔ اسی روز شام چھ بجے کوئٹہ سبزل روڈ کے قریب ذاکری مسجد کے قریب مدرسے کی چاردیواری میں انہیں سپردِ خاک کیا گیا۔ شہادت کے بعد دارالعلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث اور عالم اسلام کے عظیم عالم دین شیر علی شاہ صاحب مدنی نے انہیں "شیخ الشہداء" کا لقب دیا۔ بعد ازاں بڑے علمائے کرام: مفتی محمد تقی عثمانی، شیخ الحدیث مولانا حمد اللہ داجوی، مفتی زرولی خان صاحب اور دیگر علمائے کرام کی جانب سے بھی اس کی تائید کی گئی۔



کچھ یادیں:

شیخ صاحب کی زندگی کے کئی پہلو تھے۔اس مختصر تحریر میں تمام اہم واقعات کا احاطہ ناممکن ہے۔کوشش کریں گے بعض دلچسپ واقعات کی جانب اشارہ کریں۔

زابل کے شہری مولوی عبدالقادر کہتے ہیں: ملا مدد کے محاذ کے ایک مجاہد ملا خیرالدین نے واقعہ سنایا۔"روس کے خلاف جہاد کے دوران ذاکری صاحب زابل آئے تھے۔ جب ہمارے جہادی مرکز پر آئے تو یہاں دشمن نے حملہ کردیا۔اکثر مجاہدین پہاڑوں میں روپوش ہوگئے۔ مگر ذاکری صاحب نے ایک بڑی چٹان کی آڑ لے کر روسی طیاروں پر کلاشنکوف سے فائرنگ شروع کردی۔ مقامی جہادی ذمہ دار مولوی عصمت اللہ نے کہا: شیخ صاحب! گن کی گولیاں طیارے تک نہیں پہنچتیں۔خدانخواستہ آپ کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔" شیخ صاحب نے جواب دیا:"خاموش رہو، گولی کا پہنچانا ہم اور آپ پر لازم نہیں ہے۔وہ مالک کوئی اَور ہے۔ہم پر صرف کافروں کو نشانہ بنانا فرض کیا گیا ہے۔"

شیخ صاحب کے خاندان کے افراد اور قریبی مُتعلقین کے مطابق انہیں اللہ تعالی نے تقوی اور توکل کے ساتھ شجاعت اور زُہد کی صفت سے بھی خوب نوازا تھا۔انہوں نے ساری زندگی اپنا جہادی موقف پوری جرأت سے بیان کیا۔وہ خود فرماتے کہ یہ "اللہ تعالی کا احسان ہے میرا دل ایمان پر اتنا مطمئن ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اور حکومت سے ذرہ برابر خوف محسوس نہیں ہوتا۔نہ انہیں مکھی کے پَر جتنی حیثیت دیتا ہوں۔میرا اس پر ایمان ہے کہ خدا ایک ہے اور اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔کائنات کے فیصلے صرف اور صرف اللہ تعالی کے تصرف میں ہیں۔موت وحیات، عزت وذلت، تکلیف، راحت اور زندگی کی تمام کیفیات کا اختیار صرف اللہ تعالی کے پاس ہے۔"

شیخ صاحب میں دنیا سے بے پروائی بھی خوب بھری ہوئی تھی۔ وہ منصب، حکومت اور کرسی کی نہ صرف یہ کہ محبت نہیں رکھتے تھے، بلکہ نفرت اور بیزاری کا اظہار کرتے تھے۔ گزشتہ ۳۵ سالوں میں افغانستان میں مختلف حکومتیں آئیں اور چلی گئیں۔ اس دوران ہر شخص نے حکومت سے کچھ نہ کچھ حاصل کیا۔ مگر شیخ صاحب نے آخر تک غربت کی زندگی بسر کی۔ انہیں بار بار موقع ملا اور امتحانات میں گرے، مگر اللہ تعالی نے انہیں آزمائشوں میں سرخ رُو کر دیا۔ وہ فرماتے تھے کہ "اگر میں دولت اور سونا جمع کرنا چاہتا تو سونے کی اینٹیں جمع کر لیتا۔" مگر انہوں نے آخر تک غربت کی زندگی کو ترجیح دی۔ ۱۴۳۱ھ تک کسی اور شخص کے ایک معمولی مکان میں گزارہ کرتے رہے۔ اسی سال انہیں "کوئٹہ شال درہ" کے مہتمم شیخ الحدیث حافظ عبدالواحد صاحب کی جانب سے سبزل روڈ کوئٹہ میں ذاتی زمین ہدیہ کی گئی۔ قاری غلام حضرت صاحب، جو اصلاً قندہاری تھے اور اس وقت کوئٹہ میں مقیم تھے، انہوں نے اسی زمین پر مدرسہ اور گھر تعمیر کر کے دیا۔ آخری دور میں وہ اسی گھر میں منتقل ہو گئے۔ پھر شہادت تک وہیں رہے۔

شیخ صاحب کی خوب صورت یادیں اور باتیں بہت زیادہ ہیں، مگر تحریر کی طوالت آڑے آتی ہے.....

دیوانے گزر جائیں گے ہر منزلِ غم سے
حیرت سے زمانہ انہیں تکتا ہی رہے گا
آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوش بُو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا





کمانڈر مولانا حضرت محمد مجاہد شہید رحمہ اللہ

ذکر خیر

مولانا حضرت محمد مجاہد شہید کے والد کا نام سید حسین تھا۔ آپ کی ولادت صوبہ لغمان ضلع بادپش کے گاوں شاہ گلیانو میں ہوئی۔ انتہائی کم عمری ہی سے انہیں جہاد سے محبت تھی۔ فطری طور پر ہی غیور، بہادر اور بھرپور عزم کے مالک تھے۔ زمانہ طالب علمی ہی سے روسی جارحیت کے خلاف مولانا جلال الدین حقانی رحمہ اللہ کی قیادت میں خوست کے کئی محاذوں پر جنگوں میں شریک ہوئے، خوست کی فتح میں بھی انہوں نے بھرپور حصہ لیا۔

افغانستان میں روس نواز ڈاکٹر نجیب کی حکومت کے خاتمے کے بعد تنظیموں اور لیڈروں کے درمیان آپس کی لڑائیاں شروع ہوئیں جس سے افغانستان شر وفساد کے الاؤ میں ایک بار پھر بھڑکنے لگا، طالبان نے مجبوراً لوٹ مار کی روک تھام کے لیے جہاد کا آغاز کیا۔ اس وقت حضرت محمد مجاہد قندہار سے کابل کی فتح تک تحریک اسلامی طالبان کی چھتری تلے جہاد میں شریک رہے۔ وہ بعض بڑے اسلحے چلانے میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔

حضرت محمد مجاہد صاحب نے جہاد میں دیگر تکالیف اور آزمائشوں کے ساتھ جنرل دوستم کے وحشیانہ مظالم بھی اٹھائے۔

وہ کبھی کبھی واقعات سناتے کہ جب طالبان مجاہدین نے دوستم کی ضمانت پر ہتھیار ڈال دیئے تو کمیونسٹ غدار جنرل دوستم نے انتہائی بے رحمی سے کنٹینروں میں ڈال دیا بقول حضرت محمد مجاہد ان ہزاروں مجاہدین میں سے اکثر مجاہدین اسی وقت ہی شہید ہو گئے بہت کم زندہ بچے۔ زندہ بچ جانے والے وہ لوگ تھے جو ابتداء ہی سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ وہ بھی انھی کنٹینروں میں تھے۔ حضرت محمد صاحب بتایا کرتے تھے کہ جب کنٹینروں کے دروازے بند ہو گئے، حبس ہونے لگا۔ گرمی سے سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ سارے ساتھیوں کو پیاس لگنے لگی۔ حبس، گرمی اور پیاس کے باعث ساتھی بے چین ہو رہے تھے۔ حلق سوکھ کر کانٹا ہو گئے۔ زبانیں خشک ہو کر باہر کو آنے لگیں۔ ساتھی بے چینی واضطرار سے کنٹینر میں اچھل رہے تھے۔ پیاس اور گرمی میں لمحہ بہ لمحہ شدت آتی جا رہی تھی آخر کار اکثر ساتھی اسی گرمی اور پیاس کی شدت سے شہید ہونے لگے۔ ہم گرمی کی شدت سے اپنا پسینہ کنٹینر کی دیواروں پر صاف کرتے اور پھر وہی پسینے کی تری زبان سے چاٹتے۔ دوستم کے درندے اس کے باوجود بھی کنٹینروں پر فائرنگ کر رہے تھے۔

حضرت محمد رحمہ اللہ نے کہا جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ ہمارے کنٹینر میں چھوٹا سا سوراخ تھا۔ میں نے سانس لیا اور خود کو گھسیٹ کر سوراخ کے قریب آیا۔ اپنا منہ سوراخ کے قریب کر کے میں نے دیکھا تو وہاں ایک آدمی نظر آیا۔ اسی سوراخ سے میں نے آواز دی کہ تھوڑا سا پانی لے آو اس نے یہ بات سنی اور دوڑ کر ایک لوٹے میں پانی لایا۔ میں نے منہ قریب کر کے پانی پینا شروع کیا تو حبس اور سانس کی تنگی کے باعث الٹیاں آنے لگیں۔ پانی بھی سارا الٹی ہو گیا۔ پھر دوسرے ساتھی کو میں نے آواز دی آو پانی ہے۔ اسے میری بات پر یقین ہی نہیں آیا۔ اس نے جب پانی چکھا تو اسے بھی الٹیاں آنے لگیں۔ کنٹینر کے دروازے کھولے گئے تو ہر کنٹینر میں دو، تین مجاہدین ہی زندہ بچے تھے۔ یہ حقائق بہت سی دستاویزی فلموں میں محفوظ ہیں۔

مرحوم مجاہد نے کہا بالآخر ہمیں شبرغان جیل لایا گیا۔ جس میں ۱۱ بیرکیں اور بڑا ہال تھا۔ ہم وہاں انتہائی تکلیف سے گزارہ کررہے تھے۔ کھانا عین اسی وقت لایا جاتا جب ہمارے سونے اور آرام کا وقت ہوجاتا۔ چوبیس گھنٹے میں ایک چھوٹی سی روٹی دیتے۔ روزانہ ایک دو ساتھی بھوک کی شدت سے شہید ہوتے۔ دوستم کے فوجی ایک اور ظلم بھی کرتے وہ یہ کہ سالن میں سونا یوریا کی کھاد ڈال دیتے جس سے بہت سے مجاہدین شہید ہوگئے۔ اس ظلم عظیم کی وجہ سے ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ اگر اس بار انسانی حقوق کی تنظیموں والے آئیں تو ایک شخص خود کو قربانی کے لیے تیار کرکے ساری حقیقت حال بیان کرے گا۔ اس قربانی کے لیے میں تیار ہوگیا۔ ایک تنظیم والے آئے جس میں ایک امریکی بھی تھا جو اس سے قبل ایران میں رہ چکا تھا اس لیے وہ فارسی جانتا تھا۔ جب وہ واپس جانے لگا میں نے آواز دے کر کہا میری بات سنو۔ میں نے اس سے کہا وہ انسانی حقوق کے ٹھیکیدار کہاں گئے۔ ہم یہاں روزانہ دو یا تین ساتھی شہید ہوتے ہیں۔ پھر میں نے اسے کنٹینر کے واقعات سنائے۔ سونا یوریا اور دیگر وحشتناک مظالم کے قصے سنائے۔ آخر میں میں نے اسے کہا کہ میں خود کو قبر میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے مجھ سے اس بات کا مطلب پوچھا۔ میں نے کہا مجھے معلوم ہے کہ جیسے ہی تم چلے جاو گے یہ دوستمی درندے مجھے مار دیں گے، میں صرف ساتھیوں کا حق مانگنے کے لیے اس قربانی کے لیے تیار ہوا تھا۔ جیل کا انچارج بار بار اشارے کرکے مجھے خاموش کرنے کی کوشش کررہا تھا مگر میں نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا۔ وہ امریکی آہستہ آہستہ پیچھے جانے لگا۔ دیوار سے تکیہ لگا کر کھڑا ہوگیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس نے انتہائی افسوس سے کہا: ''اتنا ظلم بھی کوئی کرتا ہے۔''

جاتے ہوئے اس نے کہا میں جاتے ہی سب پہلے آپ کا مسئلہ حل کرنے کے لیے کوششیں کروں گا۔ وہ امریکی جب گیا تو جیل کا انچارج ڈنڈوں، زنجیروں اور بیڑیوں کے ساتھ جیل میں آگیا اور پوچھا وہ انگریزوں کے سامنے تیز تیز بولنے والا کہاں ہے؟

حضرت محمد مجاہد کہتے تھے میں اپنے ساتھیوں کے درمیان چھپ گیا قیدیوں کی تعداد بہت زیادہ ہزاروں میں تھی اس لئے وہ مجھے ڈھونڈنے میں ناکام ہو گیا۔

حضرت محمد شہید رحمہ اللہ کہتے ہیں ایک ہفتے بعد ایک اور گروپ آیا۔ ان لوگوں نے آکر قیدیوں کو تولنا شروع کیا۔ جس کا وزن کم ہوتا اسے ایک طرف بٹھاتے اور ایک قسم کا کڑا اس کے ہاتھ میں ڈالتے۔ اسے مقوی غذا دی جاتی۔ جس کا وزن کچھ اچھا ہوتا اسے متوسط خوراک دی جاتی۔ ڈاکٹر لوگ کہتے تھے ہمارے نقطہ ء نظر کے مطابق آپ لوگ دو ماہ پہلے ہی مر چکے ہیں لیکن یہ اللہ کی ذات ہے جس نے تمہیں زندہ رکھا ہے۔

حضرت محمد شہید رحمہ اللہ کہتے تھے کہ جب کھانا اچھا ہونے لگا تو حالات بھی تبدیل ہونے لگے۔ پھر ہم نے جیل میں مدرسہ قائم کیا اور نظم وضبط کے مطابق کام کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ہمارے نظم وضبط اور پڑھائی کو دیکھ کر دوستمی فوجی بھی حیران ہو جاتے اور بار بار پوچھتے کہ یہ نظم وضبط آپ کو کون سکھاتا ہے۔

پھر ایک لغمانی تنظیم آئی اور کابل منتقل کرنے کے لیے ہمارے نام لکھے۔ منتقلی کے وقت ساتھی تقسیم ہو کر بسوں میں چڑھ گئے۔ میں جیل سے نکلنے والا سب سے آخری فرد تھا۔ ایک دوستمی فوجی نے مجھے طعنہ دیا تھا کہ اب تم یہاں لمبے عرصے تک قیدی رہو گے۔ نکلتے ہوئے میں نے اسے کہا: ”دیکھو ہم کیسے نکل کر جا رہے ہیں۔“

کابل آنے کے بعد تین سال مزید پل چرخی کی جیل میں ہم نے گزارے۔ پھر کرزئی نے تمام قیدیوں کی رہائی کا حکم دیا تو ہمیں بھی آزاد کر دیا گیا۔

حضرت محمد مجاہد رحمہ اللہ نے جیل سے چھوٹتے ہی جارحیت پسندوں کے خلاف جہاد کا آغاز کر دیا، یہاں تک کہ وہ کابل شاہراہ بند کر کے آئے روز دشمن کو طرح طرح کے جانی و مالی نقصانات پہنچاتے۔

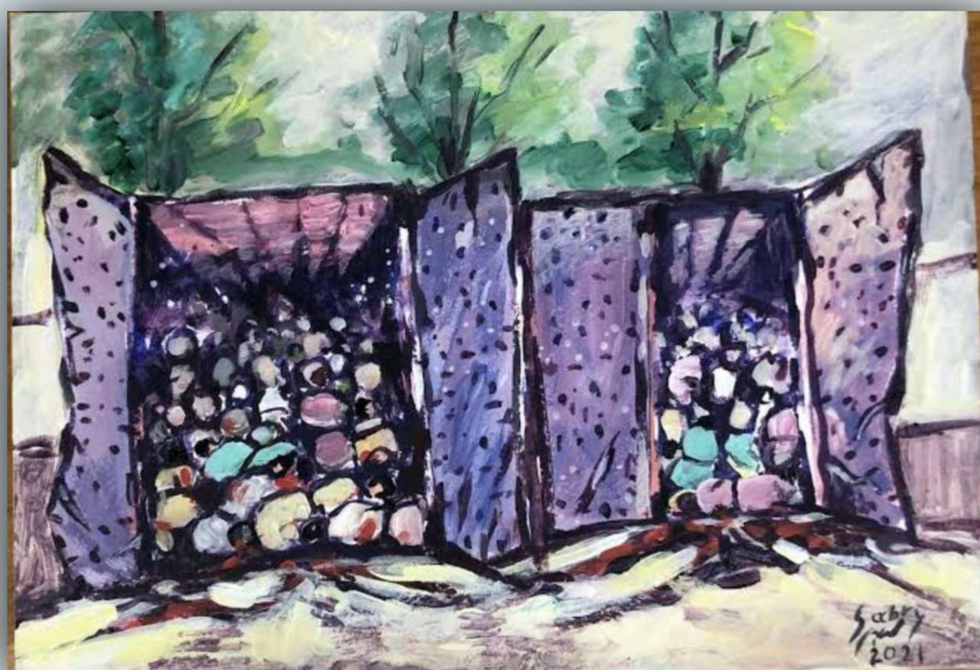
یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۲۰۰۸ میں انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دشمن کی ایک بڑی کانوائے پر حملہ کر دیا جس میں اکثریت فرانسیسی فوجیوں کی تھی۔ جن میں ۹۰ فرانسیسی ہلاک و زخمی ہوئے۔ دشمن نے ۱۰ فوجیوں کی ہلاکت اور ۳۰ زخمیوں کی تصدیق کی۔ ۲۰۱۰ میں ایک اور کانوائے پر جس میں نیشنل آرمی کے ۴۰۰ اہلکار ۶۰ گاڑیوں میں سوار تھے۔

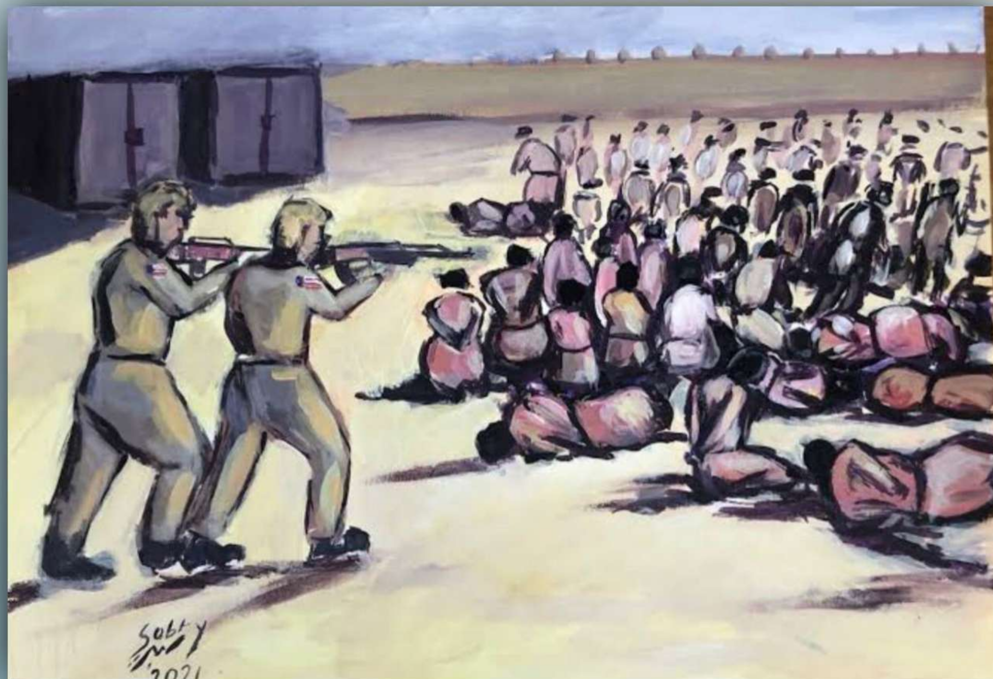
لغمان کے بادپش کے علاقے میں حضرت محمد شہید رحمہ اللہ نے حملہ کیا اور بیس گاڑیاں، ٹینک اور رینجر غنیمت میں حاصل کیں۔

۳۰ فوجی زندہ گرفتار اور ۸۴ فوجی ہلاک و زخمی ہو گئے۔ بالاخر ملک و ملت کی دفاع کا یہ شہاب ثاقب، انتہائی غیور و دیانتدار شخصیت کے مالک حضرت محمد شہید رحمہ اللہ اور امارت اسلامیہ کی تشکیلات میں کمانڈر اور ضلع علیشنگ کے کمشنر شوال ۱۴۳۳ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ کی رضا کے لیے اس کی راہ میں شہادت ان کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا تھی۔ لغمان کے علاقے کلمنی میں غاصب درندوں نے ہوائی حملہ کر کے انہیں شہادت کے بلند ترین مقام پر فائز کر دیا۔

اللہ تعالی ان کی روح کو اعلی علیین میں مقام عطا فرمائے اور ان کی حیات جاوداں کو آئندہ نسلوں کے لیے مشعل راہ بنائے۔ کمانڈر حضرت محمد شہید رحمہ اللہ نے پسماندگان میں ۳ بیٹے، ۴ بیٹیاں اہلیہ اور ضعیف العمر والد چھوڑے۔ اللہ تعالی ان کے بچوں کا کفیل اور مددگار ہو۔ وکفی باللہ وکیلا۔

چند تصاویر جو اس موضوع سے متعلق ہیں۔









شہدائے زابل



ابو موسی الترکی

ادب و حیاء کے پیکر اور حب جہاد سے مامور۔



مفضی خلیف العنزی

قربانی اور فداکاری کی ایک مثال دنیا کو خیر باد کہہ کر افغانستان آن پہنچے۔



اسلم پاکستانی

تواضع اخلاق اور نرمی سے پیش آنے والے۔

شہدائے زابل



فہد سعد التمیمی

آپ محبت اور خوش اخلاقی سے پیش آنے والوں میں شمار ہوتے تھے۔



خالد پشاوری

آپ جہاد سے انتہائی محبت رکھنے والے تھے، کم عمری آپ کو دشمن پر قہر بن کر ٹوٹنے سے روک نا سکی۔



عبداللہ محمد العاید

شعلہ بیان خطیب جو اپنے زورِ خطابت سے بھائیوں کے دلوں کو گرماتے۔ متعدد بار قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں بلآخر اللہ تعالی نے آپ کے لئے افغانستان کا راستہ آسان فرمادیا اور آپ افغانستان آن پہنچے۔

شہدائے زابل



سلطان مبارک

جہاد کے لئے ہر وقت بے تاب، عزم و استقلال کے پیکر آپ نے صومالیہ کے لئے رخت سفر باندھا تاہم وہاں پہنچ نا پائے اور دوبارہ افغانستان لوٹ آئے۔



جعفر الطاجیکی

سن بلوغت میں قدم رکھنے والے نوجوان تواضع اور اعلی اخلاق کا ایک نمونہ۔



سعید محمد الشمرانی

ادب و حیاء کے پیکر اپنی خوبصورت آواز سے بھائیوں کو مسحور کرنے والے۔

شہدائے زابل



مناور صالح الشمرانی

قبیلہ شمر سے تعلق رکھنے والا سچائی اور اخلاص کا حامل یہ نوجوان جو اپنی عمر کی بیس بہاریں بھی نا دیکھ پایا تھا کہ شہادت کے اعلی مرتبہ پر فائز ہو گیا۔ رحمہ اللہ تعالی اجعین

ایک ایسے دور میں جب دل دنیا اور اُس کی نعمتوں سے مطمئن اِس کے ساز و سامان کی طرف مائل اور اس کے ظاہری آب و تاب سے دھوکے میں مبتلا ہیں کچھ زندہ دلوں نے جہاد کے علم بلند دیکھے تو وہ اُس داعی کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے جہاد کے میدانوں کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور اس فتنہ انگیز دنیا کی چمک دھمک چھوڑتے ہوئے ایمان اور فداکاری کے دستوں سے آن ملے، وہ دستے جن کے عزم کو رات کے اندھیرے بھی نا توڑ سکے، جنھوں نے درندہ صفت دشمنوں کے آگے جھکنے سے صاف انکار کر دیا، وہ دستے جنھیں یہ خوب معلوم تھا کہ جو اجر و ثواب اللہ تعالی کے پاس ہے وہ بہت بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

۲۱ شوال ۱۴۲۷ ھجری کو اُمت کے نوجوانوں میں سے ستاروں کا یہ جھرمٹ القاعدہ کے معسکر میں پہنچا، اُن کے قبیلے تو جدا جدا تھے، لیکن سب کے سب ایک ہی ھدف کی جانب گامزن تھے۔ پھر پہاڑوں کے دامن میں گھوڑوں کی لگامیں تھامے تربیت کا سلسلہ شروع ہوا اور اُس کے ساتھ ہی ایمان سے پُر اپنی حقیر جان اللہ کی راہ میں نچھاور کر دینے کے جذبے کے ساتھ زندگی کا بھی آغاز ہوا۔

ان جوان مردوں نے جسمانی اور عسکری تربیت شروع کی اور اسلحہ کی استعمال کے طریقے اور قتال کے مختلف حربوں کی تربیت حاصل کی۔

مجاھدین کی خندقوں سے جواں مرد فاتحین کے تذکرے کے طور پر فھد سالم التمامی قصیدہ سناتے ہوئے۔

اے ماں مجھے معاف کردینا
میری طویل عمر کی لغزشیں معاف کردینا
میرا مقصد آپ کو دکھ پہنچانا نہیں
اے میری جان سے عزیز ماں!
مگر میں کیا کروں جنت مجھے پکار رہی ہے
اے ماں مجھے معاف کردینا
یہ نا کہنا کہ میں نے آپ سے جفا کی
بھلا میں اُس ہستی سے کیسے جفا کرسکتا ہوں
جس نے دنیا میں میری نگہداشت کی
بھلا میں کیوں کر آپ کی آنکھیں نم کروں گا
کہ آپ تو مجھے جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں
میری آنکھوں کی ڈھنڈک ہیں
آپ مجھے ہر خواہش سے زیادہ عزیز ہیں
اتنی عزیز ہیں کہ بیان سے باہر ہے
اگر آپ کو معلوم ہوجائے کہ امت کی حالت کیا ہے
تو مجھے یقین ہے کہ آپ مجھ پر ناراض نہ ہوں گی
اے میری ماں! میرے بعد صبر کرنا رونا نہیں
اگر آنسو آ بھی جائیں تو مجھ سے ناراض نا ہونا
میں نے اپنی جان رب کے ہاں بیچ ڈالی ہے

کیونکہ رب تعالی نے تو پہلی ہی
مؤمنیں کی جانیں خرید لی ہیں
مسلمانوں نے امن کے نام پر ذلت کو گلے لگا لیا ہے
اور اہلِ عرب غفلت میں سوئے پڑے ہیں
ماں! دیکھو! ایک چھوٹا سا بچہ ملبے کے ڈھیر تلے دبا ہے
جبکہ اس کی زخمی ماں کسی مددگار کو پکار رہی ہے
میں اس ذلت کی زندگی کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا
اپنی بہن کو ملعون کافر کے ہاتھ ذلیل ہوتا دیکھ کر
زندہ نہیں رہ سکتا
مجھے تو جنت کی خوش چشم حور چاہئے
مجھے یہ مٹی کی حور نہیں چاہئے
مجھے تو جنت کی خوش چشم حور چاہئے

تیاری کہ ان مراحل کے دوران ایک مرتبہ ملاداداللہ رحمہ اللہ نے بھی ان مراکز کا دورہ کیا (اور اسی مرکز میں آپ کا وہ مشہور انٹرویو بھی ہوا جو ادارہ السحاب نے نشر کیا) اور اللہ کے اِن عظیم شیروں کو بھی اس عظیم قائد سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، جس نے اِن کے دلوں پر گہرے اثرات مرتب کئے۔



مرحلہ اعداد مکمل ہونے کے بعد اِن مجاھدین کو افغانستان کے مختلوف علاقوں میں پھیلا دیا گیا۔

جب یہ شہسوار زابل پہنچے تو ابو عمر الکویتی رحمہ اللہ جو اس محاذ کے ذمہ دار تھے اور کابل کے تمام معرکوں میں شامل تھے اِن ابطال کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ اس کے بعد اللہ کے اِن شیروں نے دیگر مجاہدین کے ساتھ مل کر امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کے جھنڈے تلے عملی قتال کا آغاز کیا

اور زابل میں صلیبیوں اور اُن کے معاونین کے خلاف کئی معرکوں میں شرکت کی۔

دن یوں ہی گزرتے گئے ہیاں تک کہ ارض کابل میں اِن ابطال کا اپنے رب سے جا ملنے کا وقت آن پہنچا، مجاہدین ایک معرکہ کی تیاری میں تھے کہ صلیبی دشمن مجاہدین کے ٹھکانوں تک آپہنچا اور جنگ شعلے اگلنے لگی دشمن نے ہوائی جہازوں سے مدد لی اور مجاہدین کے مراکز پر بمباری کردی۔ اللہ کے اِن شیروں کا لہو اس سرزمین میں جذب ہو گیا جس سے انہیں محبت تھی اور جس کے پہاڑ اِن کی جدائی پر روتے رہے۔

اللہ تعالی ان تمام شہداء پر رحم فرمائے اور انہیں اپنی وسیع جنتوں میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین



ڈاکٹر نصیر الدین حقانی شہیدؒ

زندگی اللہ کی امانت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے، انسان کی پیدائش ایسی بے ہودہ اور بے مقصد نہیں اور نہ زندگی کی نعمت، عقل، حواس اور جسم کے اعضاء انسان کو بے مقصد عطاء کیے گئے ہیں۔ بلکہ یہ سب اللہ تعالی کی جانب سے امانت ہیں تاکہ اللہ کا مکلف بندہ یہ ساری نعمتیں اللہ تعالی کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق استعمال کرے۔ انسانی جان کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہے۔ اسے بے فائدہ اور حقیر مقاصد کے لیے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ انسانی زندگی کی قیمت اللہ کی رضاء کے علاوہ میں ہر چیز سے زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کی رضاء کے علاوہ دوسرے مقاصد میں زندگی گذارنا یا زندگی قربان کرنا نعمت الہی کی ناشکری سمجھی جاتی ہے۔ چونکہ امانت کی رعایت اور نعمت کی شکر گزاری بڑے اور اچھے صفات حسنہ میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی کی راہ میں زندگی گذارنا اور پوری امانتداری سے اس بڑے الہی نعمت (زندگی) کو منعم ذات کے حوالے کردینا دینی لحاظ سے انتہائی محبوب اعمال میں سے سمجھا جاتا ہے۔

اللہ کی راہ میں زندگی قربان کرنے کو شہادت کہا جاتا ہے۔ وہ جسے اللہ تعالی نے موت نہیں کہا بلکہ اسے عالیشان زندگی کہا جس کا ادراک انسانوں کے کمزور عقلوں سے نہیں کیا جا سکتا وہی زندگی ہے جس کی تمنا حضرت محمد مصطفی ﷺ نے بار بار کی۔

"لوددت أن أغزو في سبيل الله ثم أقتل ثم أغزو ثم أقتل . . . الی اخره"

یہ وہی زندگی ہے جس پر اللہ کے محبوب انبیاء جیسے پیغمبروں، صحابہ کرام، تابعین، صدیقین، اولیاء، مجتہدین، مجاہدین اور علماء نے بجا طور پر فخر کیا۔ شہادت کے فلسفے کے اخروی اور دنیوی حیثیت پر بات کی جائے تو شاید یہ بحث بہت زیادہ لمبی ہو جائے آج ہم اس عظیم سفر سے بہرہ مند ہونے والے ایک عظیم مجاہد سے گفتگو کریں گے۔

یہاں اس عظیم مجاہد کا تعارف کرائیں گے جو نہ صرف خود شہادت کے عظیم رتبے پر فائز ہوگئے بلکہ ان کے خاندان کے درجنوں افراد گذشتہ چند سالوں میں شہادت کی عظیم سعادت سے بہرہ مند ہوگئے۔ مشرقی و مغربی فرعونیت کو شکست سے دوچار کرنے والے مولوی جلال الدین حقانیؒ کے لخت جگر ڈاکٹر نصیر الدین حقانیؒ کا ذکر کریں گے جنہوں نے کچھ عرصہ قبل شہادت کا جام پیا۔

ڈاکٹر نصیر الدین حقانی شہید:

ڈاکٹر نصیر الدین حقانی عظیم مجاہد مولوی جلال الدین حقانی کے بڑے صاحبزادے تھے جن کی ولادت ۱۳۵۶ھ ش میں پکتیا کے ضلع زدران کے گاؤں کنڈو میں ہوئی۔ ان کا تعلق پشتونوں کے قوم زدران کی ایک شاخ میرزئی کے سلطان خیل قبیلے سے تھا۔

انہوں نے ایک دیندار اور علم دوست خاندان میں آنکھ کھولی نصیر الدین حقانی ایک سال کے تھے جب افغانستان میں کمیونسٹوں نے بغاوت کر کے اقتدار کی لگامیں پکڑ لیں۔ اس وقت ان کے والد مولوی جلال الدین حقانی جنہوں نے اس سے پہلے کمیونسٹ نظریات کے خلاف مزاحمت شروع کی تھی۔ جہادی تحریک کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے پکتیا اور پکتیکا کے دور افتادہ علاقوں میں کمیونسٹ انتظامیہ کے خلاف عسکری آپریشن کا آغاز کر دیا۔ کمیونسٹوں کے مظالم اور سوویت یونین کی جارحیت سے نجات کے لیے افغان عوام کی مکمل ہجرت کے وقت حقانی صاحب کے خاندان نے بھی ڈیورنڈ لائن پار کر کے پاکستان کی جانب ہجرت کی اور شمالی وزیرستان میرانشاہ میں سکونت اختیار کی

نصیر الدین حقانی نے اپنی ابتدائی اور ثانوی تعلیم جامعہ دار العلوم منبع الجہاد میں مکمل کی اور دورہ حدیث بھی یہیں سے کیا۔ عصری تعلیم بارہویں کلاس تک انجمن القرآن کالج میں مکمل کرنے کے بعد میڈیکل کے شعبے میں چلے گئے۔ مگر امریکی جارحیت کے باعث طب کے شعبے میں انہیں اپنی تعلیم ادھوری چھوڑنی پڑی۔

نصیر الدین حقانی انتہائی کم عمر تھے جب اپنے والد کے ساتھ کمیونسٹوں کے خلاف جہاد کرنے جاتے۔ وہ جہادی ماحول میں بڑے ہوئے۔ ان کی پرورش اپنے مجاہد باپ کے رہنمائی اور ان کے سائے میں ہوئی۔ اور یہی وجہ تھی کہ زندگی کے آخری ایام تک ناقابل شکست مجاہد کی طرح اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

ڈاکٹر نصیر الدین حقانی جنہوں نے دینی وعصری علوم متوازی طور پر پڑھے تھے۔ اللہ تعالی نے انہیں بڑا علمی استعداد عطا کیا تھا۔ انہیں مادری زبان پشتو کے علاوہ چار دیگر زبانوں (عربی، فارسی، اردو، انگلش) پر عبور حاصل تھا۔

امریکا کے خلاف جہاد کے آغاز کے ساتھ الدین حقانی نے ایک فعال اور متحرک جہادی رہنما کی حیثیت سے امریکی جارحیت پسندوں کے خلاف جہاد جاری رکھا۔ اس پورے عرصے میں امارت اسلامیہ کے رہبری شوری کے اجلاسوں میں وہ جلال الدین حقانی صاحب کے نائب کی حیثیت سے شرکت کرتے رہے جہادی تشکیلات کے مختلف عسکری اور عوامی شعبوں میں اپنی خدمت جاری رکھی۔ یہاں تک کہ ۱۱.۱۱.۲۰۱۳ کو بزدل دشمن نے ایک دہشتگردانہ حملے میں انہیں شہید کر دیا۔

إنا لله وإنا إليه راجعون



ڈاکٹر نصیر الدین کی شہادت پر رد عمل :

ڈاکٹر نصیر الدین حقانی کی شہادت کے بعد ان کی شہادت کے حوالے سے مختلف رد عمل سامنے آئے ہیں۔ایک طرف دنیا بھر سے ان کے بارے میں ہمدردی کے پیغامات آئے جن سے ان کے بارے میں مسلمانوں کی محبت اور عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے۔
دوسری طرف دشمن کی جانب سے ہونے والی وضاحتوں اور تبصروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دشمن کی آنکھوں میں کس قدر خار بنے ہوئے تھے اور عالمی کفر کے خلاف کس قدر متحرک مجاہد تھے۔
ڈاکٹر نصیر الدین حقانی کی شہادت کے حوالے سے پہلا پیغام امارت اسلامیہ افغانستان کی رہبری شوری کا تھا۔ رہبری شوری کے تعزیتی پیغام میں آپ نے پڑھا ہو گا: انتہائی ‘‘ افسوس کے ساتھ یہ خبر ملی ہے کہ امارت اسلامیہ کے رہبری شوری کے رکن اور معروف جہادی و علمی شخصیت محترم مولوی جلال الدین حقانی صاحب حفظہ اللہ کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر نصیر الدین حقانی تقبلہ اللہ دشمن کے ایک بزدلانہ دہشگرد حملے میں شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امارت اسلامیہ ڈاکٹر نصیر الدین حقانی رحمہ اللہ کی شہادت پر ان کے والد امارت اسلامیہ کے رہبری شوری کے رکن جہادی و علمی شخصیت محترم جلال الدین حقانی حفظہ اللہ، شہید کے بھائیوں، ان کے قابل قدر خاندان اور امارت اسلامیہ کے تمام مجاہدین سے تعزیت کرتی ہے۔ اللہ تعالی کی بارگاہ میں ان کے لیے جنت کے طلب گار ہیں۔ اسی طرح رشتہ داروں کے لیے بھی اللہ کی دربار سے صبر جمیل اور اجر عظیم کے خواستگار ہیں۔

جہاد کی راہ میں ان کی کوششیں زیادہ قابل قدر ہیں۔ شہید ڈاکٹر نصیر الدین حقانی رحمہ اللہ اپنی زندگی کے آخر تک جارحیت کے خلاف مزاحمت کے میدان میں مصروف عمل رہے۔ دشمن کے لیے ان کی بہادری اور ان کا فعال کردار ناقابل برداشت تھا۔ واقعۃ ان کی شہادت امارت اسلامیہ اور پورے افغانستان کے لیے ایک نقصان عظیم ہے۔“

ڈاکٹر نصیر الدین کی شہادت کے بعد دشمن نے بھی اس مسئلے کو میڈیا پر بھرپور طریقے سے کوریج کیا اور اسے اپنی بڑی کامیابی قرار دیا۔ ”آزاد یورپ“ ریڈیو کے نام سے خصوصی امریکی جارحیت پسند ریڈیو جو آزادی ریڈیو کے نام سے کام کر رہا ہے امریکی حکومت کا سرکاری موقف نشر کرتا ہے۔ اس ریڈیو نے کہا کہ نصیر الدین حقانی، حقانی صاحب کی جہادی تشکیلات کے ستون اور مغز تھے۔ جو مختلف عسکری اور مالی امور سنبھالتے تھے۔ دشمن نے ان کی شہادت کو بڑی کامیابی قرار دیا۔ مگر مجاہدین نے اس کے رد عمل میں کہا کہ ان کی جگہ خالی نہیں ہے بلکہ ان کی راہ سنبھالنے والے اور بھی مل جائیں گے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے والد معروف مجاہد مولوی جلال الدین حقانی کی جانب سے ذرائع ابلاغ پر ایک پیغام نشر کیا گیا جس سے دردمند دلوں کو حوصلہ ملا۔ اس پیغام کے سطر سطر میں ایمان، توکل علی اللہ اور صبر کے دریا موجزن نظر آتے ہیں۔ ان کا پیغام حسب ذیل ہے بڑے بیٹے کی شہادت پر مولوی جلال الدین حقانی کا خصوصی پیغام:

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ
وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۔ الاحزاب ۲۳

افغانستان کے مومن اور مجاہد عوام اور صلیبی جارحیت پسندوں سے لڑنے والے مجاہدو!
سب سے پہلے عالیقدر امیر المؤمنین حفظہ اللہ، سرفروش مجاہدین اور خود اپنے آپ کو، راہ جہاد و قربانی کے ایک مجاہد نصیر الدین (حقانی) شہید کی شہادت کی مبارک باد کہتا ہوں ۔اللہ تعالی اپنے دربار میں انہیں شہداء، صدیقین اور صالحین کے جملے میں شامل فرمائے۔

بھائیو! اللہ کی راہ میں شہادت وہ عظیم فخر ہے حضور ﷺ نے اپنی تمام تر فضیلتوں کے باوجود جس کی تمنا کی۔اور اپنے مبارک احادیث میں شہید کے مقام کی تعریف کی۔
شہادت ایک خاص رتبہ اور سعادت ہے جو صرف اللہ کے خاص بندوں کو دیا جاتا ہے۔
شہادت ایک فضیلت ہے جو راہ جہاد کے منتخب مجاہدین کو نصیب ہوتا ہے۔اور بالاخر شہادت ہی مجاہد کا وہ حقیقی مقصد ہے جس سے وہ اللہ تعالی کی رضا کا مستحق ٹھہرتا ہے جس کے بدلے جنت الفردوس کی دائمی نعمتوں سے اسے نوازا جاتا ہے۔

مسلمان مجاہد عام! آج ہمارے غیور مجاہدین دفاعی محاذوں پر جارحیت پسندوں کے خلاف مصروف عمل ہیں اللہ تعالی نے ان کی شہادتوں اور قربانیوں کی بدولت اس تاریخی مقابلے میں انہیں فتح عطا کی ہے۔ایسی فتوحات جس نے دشمن کو ان کی تمام تر مضبوط فوجی قوت اور تکنیکی مہارتوں کے باوجود سخت گھبراہٹ کا شکار کر دیا ہے۔انہیں فرار کی راہ سجھائی نہیں دے رہی۔

بھائیو! جہاد کی راہ قربانیوں اور سرفروشیوں کا راستہ ہے۔جہادی قربانیوں کا یہ سلسلہ احد کے تاریخی غزوہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے ساتھ شروع ہوا اور چودہ سو سال گزرنے کے باوجود اب تک جاری ہے۔ڈاکٹر نصیر الدین شہید بھی اسلامی نظام کی حاکمیت اور اپنے مملکت عزیز کی آزادی کی جنگ کے ایک قابل فخر مجاہد تھے۔جو بالآخر اپنی تمنا پا گئے۔اللہ تعالی ان کی شہادت قبول فرمائے۔آمین

ڈاکٹر نصیر شہید ہمارے خاندان کا پہلا شہید نہیں اور نہ ہی یہ آخری شہید ثابت ہو گا۔ بلکہ سارا حقانی خاندان جہاد اور شہادت کا خاندان ہے۔ اللہ تعالی کے نظام کی حاکمیت اور ملک کے سرحدوں کے دفاع میں شہادت پالینا ان کی سب سے بڑی تمنا تھی۔ مجھے خود ملک کے ہر شہید کی شہادت پر یہ رشک آتا ہے کہ کاش شہادت کا یہ تاریخی اعزاز میرے حصے میں ہوتا۔ میں نے اپنی فانی زندگی کا اکثر حصہ اس تمنا میں گزارا کہ کب شہادت کا اعزاز مجھے نصیب ہو گا۔ الحمد للہ ہم اور آپ مسلمان ہیں۔ اور مسلمان اللہ کی راہ میں شہادت کو اتنا ہی پسند کرتا ہے جتنا کافر لوگ دنیاوی زندگی کی لذتوں اور نعمتوں کو پسند کرتے ہیں۔

افغان مسلمانو اور عزیز مجاہدو!۔ ہمارے غیور عوام گذشتہ ساڑھے تین عشروں سے اپنے ملک میں اسلامی نظام کی حاکمیت کے لیے قربانیاں دے رہے ہیں۔ ان کی قربانیاں اور جہاد کی راہ میں ان کا گرا ہوا خون انتہائی قیمتی ہے۔ ہم سب کو ان کے خون کی قدر دانی کرنی چاہیے۔ ان کے خون کی قدر دانی یہ ہو گی کہ ہم اللہ تعالی کے نظام کی تنفیذ اور روشن اسلامی احکام کی پیروی کریں۔ امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد کی قیادت میں جہادی صف متحد رکھیں۔ اپنے رہنماؤں کی اطاعت کریں اور اپنے رنجید عوام کی خوشحالی اور امن کے لیے کام کریں۔

بھائیو! کفار سے مقابلے کے میدان میں شہادت ہماری مزید کامیابی کا باعث ہے نہ کہ ہماری ناکامی کا۔ بلکہ ہمارا انحراف، شہداء کے مبارک خون سے خیانت اور مجاہدین کے درمیان تفرقہ بازی ہماری ناکامی کا باعث ہو گا۔ اللہ تعالی ہمیں اور پوری امت کو اس مہلک مرض سے نجات دلائے۔

والسلام

مولوي جلال الدين حقاني

۱۰/۱/۱۴۳۵ھ ق

۲۲/۸/۱۳۹۲ھ ش

2013/11/13م



ڈاکٹر نصیر الدین شہید کی شخصیت :

جیسا کہ عربوں کا مقولہ ہے ''الولد سرابیه''

نصیر الدین حقانی بھی ظاہری بناوٹ، شخصیت، فکر اور کردار کے حوالے سے اپنے مجاہد باپ مولوی جلال الدین حقانی صاحب کی زندہ مثال تھے۔ بہت خوبصورت بارعب چہر عطا کیا تھا۔ اپنے کردار میں وہ انتہائی متواضع اور خاکسار تھے۔ ان کی عاجزی وانکساری کا اندازہ ہر شخص کو پہلی مجلس میں ہو جاتا تھا۔

امارت اسلامیہ کی رہبری شوری کے رکن ایک شخص جو ڈاکٹر صاحب کے انتہائی قریبی ساتھی رہے ہیں نے ان کے متعلق فرمایا: ''ڈاکٹر صاحب اپنے مجالس میں ہمیشہ انتہائی حوصلے اور پکے استدلال سے اپنی بات پیش کرتے، جو عمر میں ان سے بڑا ہوتا وہ انتہائی ادب سے ان سے پیش آتے۔ انتہائی مؤدب و محترم تھے۔ سیرت کی خوبصورتی کے ساتھ اللہ تعالی نے انہیں ظاہری خوبصورتی اور بہترین صحت مند جسامت سے بھی نوازا تھا۔ ان کی زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہتی۔ بے سہارا لوگوں کی مدد اور سخاوت ان کی دائمی عادت تھی۔ فرض عبادتوں کے علاوہ ہمیشہ نفلی عبادات کرتے رہے۔ خوش طبعی ان کی عادت تھی۔ اہم مسائل میں انہیں بہت مہارت حاصل تھی وہ مسائل کو سرسری نگاہ سے دیکھنے کے عادی نہ تھے

حقانی قابل رشک جہادی خاندان :

ڈاکٹر نصیر الدین حقانی، حقانی خاندان کے آخری شخص ہیں جسے عالمی کفر کے حملے کا نشانہ بنایا گیا۔ اگرچہ ان کی شہادت جہاد کی صفوں کے لیے ایک بڑا نقصان ہے مگر ان کے خاندان کے لیے یہ کوئی فوق العادۃ واقعہ نہیں۔ کیوں کہ حقانی خاندان نے اب تک جو کردار ادا کیا ہے افغانستان اور اسلامی دنیا کی سطح پر اس خاندان کو غازیوں اور شہداء کا خاندان کہا جا سکتا ہے۔ محض امریکی جارحیت کے خلاف جاری حالیہ جہاد میں اس خاندان کے خواتین، بچوں اور مردوں سمیت شہداء کی کل تعداد ۵۸ افراد تک پہنچ گئی ہے۔ یہ صرف امریکی کفر نہیں جس کے مقابلے کے لیے اس خاندان نے شہداء کے لشکر روانہ کیے تھے، بلکہ اس سے قبل سوویت یونین کے خلاف جہاد کے دور میں بھی اس خاندان نے بہت سے شہداء کی قربانی دی۔

یہ خاندان اس لحاظ سے ایک غیر معمولی اور قابل رشک خاندان ہے جس کے صرف ایک خاندان کے پانچ افراد کے نام امریکی سامراج کے بلیک لسٹ میں شامل تھے۔

- مولوی جلال الدین حقانی رحمہ اللہ کا نام کفار نے جارحیت کے پہلے سال ۳۱ جنوری ۲۰۰۱ میں اسلامی نظام سے وفاداری اور کفر کے سامنے نہ جھکنے کے جرم میں اپنے بلیک لسٹ میں ڈال دیا۔
- سراج الدین حقانی کا نام ۱۳ ستمبر ۲۰۰۷ کو بلیک لسٹ میں شامل کیا گیا۔
- ڈاکٹر نصیر الدین حقانی کا نام ۲۰ جون ۲۰۱۰ میں بلیک لسٹ میں ڈالا گیا۔
- حقانی صاحب کے بھائی حاجی خلیل حقانی کا نام ۹ فروری ۲۰۱۱ کو بلیک لسٹ میں ڈالا گیا۔
- بدر الدین حقانی شہید کا نام ۱۱ مئی ۲۰۱۱ کو بلیک لسٹ میں شامل کیا گیا۔

امریکی سپر پاور کو آج دنیا کی واحد سپر پاور سمجھا جاتا ہے۔ جو اپنے اس عروج کے دور میں کسی کو بھی اپنے دشمن کی حیثیت سے برداشت نہیں کرتا۔ اور ہمیشہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ برو بحر پر اپنا قبضہ مستحکم کر دے۔ امریکہ اپنی جدید ترین ٹیکنالوجی، عالمی تعاون، اثر اندازی اور اقتصادی طاقت کے ذریعے ایسے مقام تک پہنچ چکا ہے کہ اس کے سابقہ عالمی رقیب اور ایٹمی قوتیں بھی اس کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہیں۔ اس کی قوت کو باقاعدہ تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر اس عالمی طاقت کے مقابلے میں افغان عوام کے دیگر مجاہدین کے ساتھ ساتھ حقانی خاندان نے جہاد جاری رکھا ہوا ہے۔ دشمن کا کوئی عسکری دباؤ، پروپیگنڈہ، اعصابی جنگ اور اعصابی حملے ان کے حوصلے پست نہ کر سکے۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ بڑے حقانی صاحب کے پاک جہاد اور مخلصانہ موقف کی برکت سے اللہ تعالی نے انہیں بہت بلند استعداد، قوی ایمان، اور عزم عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالی کی غیر معمولی نصرت اور انعام کے بغیر اس قدر قربانی اور استقامت انسان کے بس میں نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر نصیر الدین کی شہادت سے دشمن کو یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ انہوں نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے اور اس سے جہاد کی صف کو انہوں نے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ دشمن کو یاد رکھنا چاہیے کہ شہادت ہمارے راستے کی وہ منزل ہے جس کی تمنا ہر مجاہد رکھتا ہے شہید کا خون اسلام کے اس دمکتے چراغ کے لیے تیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ شہید کا زخم جنگ کی تاریکیوں میں چمکتا ہوا ایک ستارہ ہے۔ شہادتوں سے مجاہدین کی تعداد میں کمی نہیں آتی بلکہ یہ تعداد اور بڑھتی جاتی ہے کیوں کہ اللہ تعالی کی راہ میں سر یا مال قربان کرنے سے کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے ہمارا ایمان ہے کہ ڈاکٹر نصیر الدین حقانی کی شہادت سے جہاد کی صف میں کمزوری نہیں آئے گی اور نہ ہی حقانی خاندان بے کسی کا شکار ہو گا۔ بلکہ اللہ تعالی ان کا بہترین نعم البدل انہیں عطا فرمائیں گے۔ جو اس سے زیادہ بہتر طریقے سے ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں گے

تحریر عبدالرؤف حکمت

ملا راز محمد خنجری رحمہ اللہ

افغانستان آزادی بخشنے والی جنگوں کا ملک ہے۔اس ملک کی آدھی سے زیادہ تاریخ جہاد اور مزاحمت سے بھری پڑی ہے۔ یہاں دنیا کی سب سے بڑی قوتوں کو مار پڑی ہے۔
افغانستان میں نیٹو اور امریکی فوجیوں کی شکست کے ساتھ عالمی سطح پر اس ملک کو استعمار کے قبرستان کا لقب دیا گیا ہے۔افغانستان میں ہر دور کے فرعون شکست کھا چکے ہیں۔
جس سے اس قوم کو بہت سے تاریخی اور قابل فخر اعزاز ملے ہیں۔ یہ سب کچھ یوں ہی مفت میں نہیں ہوا ہے، بلکہ اس ملک کے صاحب ایمان شہریوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ایثار اور شہادت کی ایسی مثالیں پیش کی ہیں، جن کی شدت کی تاب نہ لاتے ہوئے طاغوت شکست کھا گیا۔ نتیجۃً امت مسلمہ کو نجات مل گئی۔
افغان عوام کی جرأتوں، شہادتوں اور قربانیوں کی قابل فخر داستانیں اتنی طویل ہیں، جس کا احاطہ شاید کسی مصنف کے بس کی بات بھی نہ ہو۔ یہاں ہر گھر سے شہید نکلا ہے ہر گھر میں غازی موجود ہے۔ ہر چوٹی پر مورچہ، ہر پتھر شہید کے لہو سے رنگین ہے۔ ہر کھائی میں کوئی نہ کوئی مغرور قوت اوندھے منہ گری پڑی ہے۔ایمانی قوت سے لیس اس قوم کی قربانیوں کی ایک جھلک دکھانے کے لیے مشت نمونہ از خروار کے طور پر ایک شہید کی مختصر سوانح عمری آپ سے شیئر کرتے ہیں، تاکہ اس... مظلوم مگر قابل فخر قوم کی بہادری کے قصے تاریخ کے سینے میں محفوظ رہ جائیں۔ آیئے افغانستان کے جنوب مشرق میں موجود پکتیکا چل کر ایک گمنام سپوت ملا راز محمد خنجری کی یادوں کا خوشبودار تذکرہ چھیڑتے ہیں۔ان کے جہادی قصوں کی مہک اُڑاتے ہیں۔

ملا راز محمد خنجری:

ملا راز محمد خنجری کے والد کا نام حاجی خان محمد اور دادا کا نام لعل گل ہے۔ ان کا تعلق پشتون قبیلے ''سلیمان خیل'' سے تھا۔ وہ صوبہ پکتیا میں ضلع ڈیلی، دشت لوڑگی کے ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے دس سال کی عمر میں دینی تعلیم کا آغاز کیا۔ ۲۲ سال کی عمر یعنی کمیونسٹوں کی بغاوت تک دینی علوم میں مصروف رہے۔ انہوں نے غزنی کے ضلع ناوہ اور مقر میں بادینی کے سرحدی علاقے اور دیگر مختلف جگہوں کے علاقائی مدارس میں پڑھائی کا آغاز کیا۔ جب انقلاب ثور کے بعد پورے افغانستان میں کمیونسٹوں کے خلاف جہاد کا آغاز ہوا تو ملا راز محمد خنجری اس وقت نوجوان تھے، انہوں نے اپنی دینی تعلیم ادھوری چھوڑ دی اور کمیونزم کے خلاف مسلح جہاد کا آغاز کر دیا۔

کمیونسٹوں کے خلاف جہاد:

ملا راز محمد خنجری نے پہلی مرتبہ پکتیکا کے ایک جہادی کمانڈر سید امیر کی قیادت میں جہاد کا آغاز کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ نوجوانی کے ایام میں ان کے پاس بندوق خریدنے کے لئے پیسے نہیں تھے۔ اس لیے انہوں نے ایک خنجر خرید لیا تھا، جسے وہ ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے۔ اسی خنجر کی وجہ سے وہ خنجری کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ انہوں نے پہلی مرتبہ اس کارروائی میں شرکت کی، جو زابل ضلع شملزو کے مضافات میں درخت یحیی کے علاقے میں کمیونسٹ فوج کے ایک مرکز پر کی گئی تھی۔ بعد ازاں زابل اور پکتیکا کے سرحدی علاقوں میں بھی بہت سی کارروائیوں میں حصہ لیا اور اپنی جرأت، بہادری اور جہادی مہارت کی وجہ سے علاقائی سطح پر ایک ممتاز مجاہد کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ کمیونسٹوں کے خلاف شروع ہونے والے جہاد کو ابھی چار سال ہوئے تھے کہ وہ افغانستان میں بننے والی مولوی محمد نبی محمدی کی ایک تنظیم حرکت انقلاب اسلامی میں ایک مستقل کمانڈر کی حیثیت سے متعین کیے گئے۔

وہ کمیونزم کے خاتمے تک اپنے علاقے میں ایک فعال کمانڈر کی حیثیت سے فعال رہے۔
سیکڑوں مجاہدین ان کے زیر کمان رہے اور بڑی تعداد میں کارروائیاں کیں۔
سوویت یونین کے خلاف جہاد کے دور میں ملاراز محمد خنجری کے زیر کمان مجاہدین کا مرکز پکتیکا ضلع شنکی غرہ کے علاقے زرگلانہ میں تھا۔ یہیں سے آس پاس کے علاقوں میں کارروائیوں کے لیے گروپ بھیجے جاتے تھے۔ کٹواز تک کے مضافاتی علاقے ان کی کارروائیوں کی رینج میں رہے، مگر ان کی زیادہ توجہ گواشتی اور پتنی غرہ کے علاقوں پر تھی۔ کیوں کہ کٹواز اور غزنی ضلع ناوہ سے واز یخوا کی جانب سے دشمن کو رسد کی فراہمی انہیں دو علاقوں سے ہوتی تھی۔ ان کے جہادی کارناموں کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ یہاں ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں: ان کے ساتھیوں کے بقول:
اُن کا کہنا تھا کہ روس کے خلاف جہاد کے دور میں ایک مرتبہ ضلع واز یخوا کی مغربی جانب زنگلی کے علاقے میں سوویت فوجیوں سے ہماری جھڑپ ہوگئی۔ شدید لڑائی میں ہم ایک بار ان کے مورچوں کے بہت قریب پہنچ گئے۔ میں روسیوں کے مورچے کے انتہائی قریب تھا کہ میری گولیاں ختم ہوگئیں۔ سامنے مورچے میں ایک روسی فوجی کو دیکھا تو اسے پتھر دے مارا۔ اس نے فوراً دستی بم پھینکا۔ بم میرے بہت قریب آ گرا۔ لیکن میں نے اس کے پھٹنے سے پہلے ہی اُسے اٹھا کر واپس اسی مورچے کی طرف اچھال دیا۔ بم گرتے ہی پھٹا اور روسی فوجی اپنے ہی بم کا شکار ہوگیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس جنگ میں ہم نے تیرہ فوجی مارے اور تمام مرنے والے فوجیوں کا اسلحہ بھی غنیمت میں لے لیا۔ ملاراز محمد خنجری روس کے خلاف جہاد کے دور میں ایک فعال مجاہد رہنما تھے۔
انہوں نے واز یخوا کے ضلعی مرکز، خٹک کلا، ضلع خوشامند، فیضنگی کلا، ضلع خیر کوٹ مرکز، ناوہ کے علاقے اور آس پاس کے دیگر علاقوں کی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ اسی طرح ڈاکٹر نجیب حکومت کے دور میں غزنی ضلع ناوہ کے گاؤں سرہ کلی میں دشمن کے اہم مورچوں پر، غزنی، زابل اور پکتیکا کے مجاہدین کے ساتھ مشترکہ کارروائیاں بھی کیں۔ ان تمام کارروائیوں میں ان کا کردار نمایاں رہا

تحریک اسلامی طالبان میں شمولیت:

کمیونزم کے خلاف جہاد مکمل ہونے پر ملاراز محمد خنجری نے اسلحہ رکھااور اپنی ادھوری تعلیم کی تکمیل میں مصروف ہوگئے۔ وہ تنظیمی لڑائیوں کے پورے دورانیے میں اپنی پڑھائی میں مشغول رہے۔ جب طالبان کی تحریک اٹھی، اس وقت طالبان قندہار سے غزنی کی جانب جارہے تھے۔ وہ غزنی کے علاقے مقر میں اپنے کئی ساتھیوں سمیت طالبان سے مل گئے۔ انہوں نے اپناساراا اسلحہ، اہم وسائل، دو گاڑیوں سمیت ایک ٹینک طالبان تحریک کے حوالے کردیا۔ غزنی کے حملے کے بعد انہیں اسی شہر میں ایک عسکری گروپ کی قیادت سونپ دی گئی، مگر وہ اکثر اوقات اپنے گروپ کے ساتھ میدان شہر کے جنگی خط پر رہے۔ میدان شہر اور کابل کے درمیان طالبان کا ایک جنگی خط تھا۔ انہیں شیر عالم چیک پوسٹ نامی ایک مرکز پر حملے کے وقت پاؤں پر زخم لگ گیا۔ مجاہدین کی رہنمائی ایک اور ساتھی ملاعبدالقہار نے اپنے ذمے لے لی۔ ملاعبدالقہار نے کابل کی فتح تک یہ ذمہ داری نبھائے رکھی۔ جب کابل فتح ہوا تو ملاعبدالقہار تھوڑے عرصے بعد شمال کی جنگوں میں شہید ہوگئے۔ ملاراز محمد خنجری نے ذمہ داری ایک بار پھر خود سنبھال لی۔ انہوں نے اسلامی تحریک طالبان کے دور میں بہت سے محاذوں پر خدمات انجام دی تھیں۔ وہ اپنے گروپ سمیت طالبان کے اس عظیم قافلے کے ساتھ تھے، جو ۱۹۹۸ میں درہ سالنگ کے ٹنل سے نکلااور پل خمری کی فتح کے بعد قندوز پر قابض ہوگیا۔ ملاراز محمد خنجری کو قندوز میں کچھ عرصہ مزاحمت کے بعد دشمن کے طیاروں کی ایک بمباری میں سر اور ہاتھ پر زخم لگے۔ انہیں علاج کے لیے کابل شہر بھیج دیا گیا۔ ملا صاحب شفایابی کے بعد ایک عسکری بریگیڈ کے ذمہ دار کی حیثیت سے متعین کیے گئے۔ اس کے بعد لغمان میں اس وقت تک عسکری بریگیڈ کے ذمہ دار رہے، جب تک امریکا نے افغانستان پر حملہ کیا۔

امریکیوں کے خلاف جہاد:

جب امریکا نے افغانستان پر حملہ کیا تو امارت اسلامیہ نے شہروں سے پسپائی اختیار کرلی۔ ملا صاحب بھی اپنے ساتھیوں سمیت اپنے علاقے میں واپس آگئے۔ انہوں نے کچھ مہینے گزرنے کے بعد جہادی تحریکات کا آغاز کیا اور اپنے علاقے میں مجاہدین کی پھر سے صف بندی کرکے جارحیت پسندوں کے خلاف گوریلا حملوں کا سلسلہ شروع کردیا۔ انہیں اس دور میں کٹھ پتلی انتظامیہ کی جانب سے بار بار دعوت دی گئی کہ حکومتِ کابل سے مل جائیں۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ ایک سابق جہادی کمانڈر کابل انتظامیہ کے نمائندے کی حیثیت سے اُن سے ملے اور کہا کہ امریکیوں سے مقابلہ ناممکن ہے۔ اس لیے آئیں اور نئی حکومت میں شامل ہوکر جہاد کا وقت آنے کا انتظار کریں، مگر خنجری صاحب نے کہا کہ میں کفر کے خلاف اسلحہ کندھے سے نہیں اتاروں گا۔ مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ گن اور کمربند کے ساتھ ہی اس دنیا سے چلا جاؤں۔

امریکا کے خلاف جہاد کے ابتدائی سالوں میں پکتیکا کے عمومی جہادی ذمہ دار مولوی عبدالکبیر اور ملا خنجری اپنے علاقے میں نمایاں عسکری ذمہ دار کی حیثیت سے ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ اس وقت وہ اور ان کا خاندان دور افتادہ پہاڑی علاقے میں خیموں میں رہ رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ خفیہ طور پر جہادی کارروائیوں کی رہنمائی کر رہے تھے۔ مجاہدین نے ان کی قیادت میں جارحیت کے ابتدائی دنوں میں ضلع وازیخوا فتح کرلیا اور بڑی مقدار میں اسلحہ دشمن سے غنیمت میں ملا۔ وازیخوا کے علاوہ پکتیکا کے ڈیلہ، تروو، خوشامند اور جانی خیل کے اضلاع میں بھی بہت سی کارروائیاں کیں، جن میں دشمن کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔ اس کے ساتھ ہی پورے علاقے میں جہادی کارروائیاں دوبارہ زندہ ہوگئیں۔

ملا خنجری کی شہادت

خنجری شہید روس کے خلاف جہاد کے دور میں بھی ایک نمایاں مجاہد رہے اور انہوں نے امریکیوں کے دور میں بھی جہادی پرچم اٹھائے رکھا۔ انہیں وازیخوا اور آس پاس کے تمام اضلاع میں بہت شہرت اور اعتماد حاصل تھا بہت سے نوجوان انہی کی دعوت پر جہادی صف میں داخل ہو گئے۔ امریکی ان کے طریقہ کار سے ڈر گئے تھے، اس لیے ان کی کوشش تھی کہ جس قیمت پر بھی ہو ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ بالآخر ۲۵ مارچ ۲۰۰۵ کو امریکیوں نے ان کا ٹھکانہ معلوم کر کے ایک وحشیانہ چھاپے میں انہیں شہید کر دیا خنجری صاحب کے جانشین حاجی محمد عمر حنفی، خنجری صاحب کی شہادت کے عینی شاہد ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس وقت خنجری شہید کا خاندان وازیخوا کے دور افتادہ پہاڑی علاقے میں ایک خیمے میں مقیم تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ موٹر سائیکل کے لیے تیل لے کر آؤ۔ ان کا جہادی سفر کا ارادہ تھا صبح کا وقت تھا، خنجری صاحب نے اسی روز سیٹلائٹ فون پر ساتھیوں سے گفتگو کی تھی۔ شاید اسی لیے امریکیوں کو ان کا مقام معلوم ہو گیا تھا۔ میں ان کے مقام سے چند کلو میٹر دور ایک بلند علاقے میں تھا، جہاں سے خنجری صاحب کے رہائشی خیمے نظر آ رہے تھے۔ میں چاہ رہا تھا کہ چھوٹے وائرلیس سے ان سے رابطہ کروں۔ اچانک امریکی جنگی ہیلی کاپٹر فضا میں نظر آنے لگے اور خنجری صاحب کے گرد چاروں طرف پیادہ فوجی اتار دیے۔ امریکی فوجی اور نیشنل آرمی کے اہل کار آہستہ آہستہ خنجری صاحب کے گھر کے قریب ہوتے گئے اور پھر اچانک فائرنگ شروع ہو گئی۔ دو طرفہ فائرنگ بہت دیر تک جاری رہی۔ جنگ کے بعد فائرنگ ختم ہوئی اور امریکی ہیلی کاپٹر واپس چلے گئے۔ میں اس علاقے میں پہنچا تو دیکھا کہ امریکیوں نے شدید وحشت ڈھائی ہوئی تھی۔ وہاں کئی خیمے تھے، جہاں خنجری صاحب کا بڑا خاندان مقیم تھا۔ بچوں اور خواتین کے سمیت خاندان کے سات افراد شہید ہو گئے تھے۔

خنجری صاحب کے خاندان کے افراد نے بتایا کہ وہ اپنے خیمے میں چھوٹے بچے اور بچی کو قرآن کریم پڑھا رہے تھے کہ امریکی ہیلی کاپٹروں کی آوازیں آنے لگیں۔ خنجری صاحب نے راکٹ لانچر اٹھا کر اس میں راکٹ فٹ کر دیا۔ پھر اپنے گرد ایک کمبل لپیٹا، جس میں انہوں نے راکٹ لانچر چھپایا ہوا تھا۔ وہ اسی حالت میں خیمے سے باہر نکل پڑے۔ اس دوران بیرونی اور داخلی فوجی خیمے کے قریب آ گئے۔ ان میں عنایت کلیوال نامی کیمپین کا سربراہ بھی تھا۔ اس نے مائیکروفون پر اعلان کر کے خنجری صاحب سے کہا کہ خود بہ خود خیمے سے باہر آکر سرنڈر کر دو۔ اپنے خاندان کا لحاظ کرو۔ خنجری صاحب نے انتہائی سرعت سے کمبل سے راکٹ لانچر نکالا اور فوراً ان پر گولہ فائر کر دیا۔ جس سے وہ سب ایک ہی فائر میں ہلاک ہو گئے۔ اس کے فوراً بعد خنجری صاحب کے جوان بیٹے بشیر احمد اور بھتیجے طاؤس نے بھی ایک ٹیلے پر مورچہ سنبھالا اور لڑائی شروع کر دی چند فدائی مجاہدین اور مسلح افواج کے درمیان یہ جنگ بہت حیران کن تھی۔ مرد خنجری صاحب کی قیادت میں لڑتے رہے، جب کہ خواتین اور بچے انہیں اسلحہ پہنچاتے رہے۔ جب خنجری صاحب شہید ہو گئے تو خواتین نے اسلحہ سنبھال لیا اور امریکی فوجیوں سے آخری گولی تک لڑتی رہیں۔ اس جنگ میں خنجری صاحب سمیت ۸، افراد شہید ہوئے تھے، جن میں تین خواتین بھی شامل تھیں۔ واضح رہے اس سے قبل روس کے خلاف جنگ میں بھی ان کے خاندان کے، ۷ افراد شہید ہوئے تھے۔ اس معرکے میں امریکیوں کے بھی کئی فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔ ایک ہیلی کاپٹر کو بھی نقصان پہنچا۔ امریکی ان کا جسد خاکی اپنے ساتھ ارگون امریکی ائیر بیس لے گئے اور وہاں سے پکتیکا کے مرکز شرنی منتقل کر دیا۔ وہ ان کی لاشیں خاندان کے حوالے نہیں کرنا چاہتے تھے، مگر چند دن گزرنے کے بعد علاقے کے بڑے لوگوں کی درخواست پر ۹ دن بعد ان کا جسد خاکی خاندان کے حوالے کر دیا گیا۔ اس طرح پکتیکا میں ایک دور افتادہ علاقے میں وہ گمنام مجاہد اپنی جدوجہد والی زندگی گزارنے کے بعد خالق حقیقی سے جا ملا۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی اسلام کی دفاع اور سربلندی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔



حافظ بدرالدین حقانی شہید تقبلہ اللہ

حافظ بدرالدین حقانی شہید کے حیات اور کارناموں پر ایک نظر

ہماری قابل فخر تاریخ میں صدیوں سے ہر منزل پر قابل فخر شخصیات کا پڑاؤ رہا ہے۔ان شخصیات اور تاریخی لوگوں میں کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے علم، تصوف، تصنیف، ادب وثقافت، اجتماعی خدمت اور دیگر شعبوں میں بلند کردار ادا کیا۔اور بہت سی شخصیات ایسی ہیں جو راہ جہاد کے سرفروش مجاہد رہے۔آج مسلم قوم ان کے نام پر فخر کرتی ہے۔ جس طرح تاریخ کے طول وعرض میں قابل شخصیات اور قابل فخر جہادی خاندان رہے ہیں الحمدللہ آج کے دور میں بھی ہم اس فخر سے بہرہ مند ہیں۔ملک کے طول وعرض میں بہت سے ایسے جہادی خاندان ہیں جو اپنے نوجوانوں کی تربیتِ جہاد، دین کی حفاظت، اور شہادت کی روایات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ جن کی ساری زندگی دین الہی کی خدمت کے لیے وقف ہوتی ہے۔ایسے قابل فخر دین دار، جہادی خاندانوں میں سے ایک نمایاں خاندان افغانستان کے جنوب مشرقی علاقے پکتیا میں دو استعماروں کو شکست سے دوچار کرنے والے عظیم مجاہد مولوی جلال الدین حقانی کا خاندان ہے۔اس عظیم خاندان کی سابقہ اور موجودہ تاریخ کی ورق گردانی کریں اور ان کے جہادی کارناموں اور شہادتوں پر طائرانہ نگاہ ڈالیں تو پشتو کے عظیم شاعر خوشحال خان خٹک کا یہ شعر بے اختیار زبان پر آجاتا ہے۔

لوی واړه مي شهيدان وکور ته تللي　　　　پُښت په پُښت مي دا هنردی آل په آل

(ترجمہ: ہمارے چھوٹے بڑے سب قبروں میں شہید ہو کر گئے، یہ ہنر پشت در پشت نسل در نسل ہمارے پاس ہے۔)

جی ہاں حقانی خاندان افغان عوام کے انہیں خاندانوں میں سے ہے جنہوں نے شہادتوں کے فلک بوس مینار کھڑ کر دیے۔ اس خاندان کے ارکان کے سینوں پر جہاں مشرقی سپر پاور نے اپنے اسلحہ کے ذخائر پھونک دیے وہاں مغربی سپر پاور کے طاقتور ترین اسلحوں کے لیے بھی اسی خاندان کے سینے ڈھال بنے رہے۔ اس خاندان نے تحریک حریت کی جڑوں میں ہمیشہ اپنے شہداء کا خون ڈالا۔ ذیل میں اسی غازیوں اور شہیدوں کے خاندان کے ایک نو خزاں شدہ پھول حافظ بدر الدین حقانی کی حیات اور کارناموں پر ایک نظر ڈالیں گے۔

بدرالدین حقانی شہید:

جب افغانستان پر روسی جارحیت کا دور تھا اور اس کے خلاف افغان عوام کی مزاحمتی تحریکی شروع تھی۔ افغانستان کے جنوب مشرقی پہاڑی سلسلے اور جنگل روسیوں کے لیے قبرستان بنتے جارہے تھے۔ اس وقت پکتیا، پکتیکا اور خوست کے پہاڑوں اور دروں میں ایک پہاڑی افغان جلال الدین حقانی نامی شخص سوویت لشکر کے آخری دستے پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ بعد ازاں یہ شخص اسلامی دنیا کی سطح پر "جلال الدین حقانی، قائد المیدانی، امام شامل ثانی" کے القاب سے مشہور ہو گیا۔ جہاد کے اسی گرم مرحلے پر رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ کے پہلے دن جہادی قافلے کے اس عظیم رہبر کے گھر میں شمالی وزیرستان میر انشاہ میں ایام ہجرت میں ایک بچے کی ولادت ہوئی جس کا نام بدر الدین رکھا گیا۔



بدرالدین کی پرورش ان کے مجاہد باپ کی گود میں ہوئی، زندگی کے پہلے اداب، اخلاق اور عقائد انہوں نے اپنے والد سے سیکھے۔ وہ بہت چھوٹے تھے جب انہوں نے میران شاہ میں حقانی صاحب کے عظیم مدرسے منبع العلوم کی شاخ انجمن القرآن میں داخل ہوگئے۔ اور اس کے ساتھ عصری علوم کے تعلیمی ادارے میں بھی داخلہ لیا۔ انہوں نے سکول چھٹے کلاس تک پڑھا اور اس کے ساتھ قرآن کریم کا حفظ بھی شروع کردیا۔ ان کی عمر صرف دس سال تھی جب انہوں نے حفظ قرآن کریم کی تکمیل کی۔



دینی تعلیم:

بدرالدین حقانی نے حفظ قرآن کریم کی تکمیل کے بعد دینی علوم کی تحصیل شروع کردی۔ اس سلسلے میں میران شاہ کے جامعہ منبع العلوم، خیبر پختونخواہ کے مختلف مدارس میں دینی علوم کی تحصیل شروع کی۔ اسی طرح امارت اسلامیہ کے دور اقتدار میں انہوں نے کابل میں اپنے والد سے خاص طور سے کچھ کتابوں کا درس شروع کیا جو موقوف علیہ درجہ سابعہ کی تکمیل تک جاری رہا۔

امریکا کے خلاف جہاد:

افغانستان پر امریکی جارحیت کے وقت حافظ بدرالدین حقانی نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے۔ چونکہ ان کی تربیت ان کے مجاہد والد کے ہاتھوں ہوئی تھی اوران کا تعلق جہادی خاندان سے تھا اس لیے انہوں نے زندگی کی دوسری مصروفیات ترک کردیں اور جہاد کے جذبے سے سرشار میدان جنگ میں اتر گئے۔

حافظ بدرالدین حقانی نے شروع میں ایک عام مجاہد کی حیثیت سے پکتیا، پکتیکا اور خوست کے جنگی محاذوں پر دشمن کے خلاف جہادی کارروائیاں شروع کردیں۔ چونکہ مولوی جلال الدین حقانی کا شماران رہنماؤں میں ہوتا ہے جنہوں نے بذات خود بنفس نفیس جنگوں میں حصہ لیا تھا اس لیے حافظ بدرالدین سمیت ان کے کئی اور بیٹے بھی جنگوں میں شریک ہوگئے۔ گوریلا جنگ میں کچھ عرصہ خدمات انجام دینے کے بعد انہیں فدائی حملوں کے ایک یونٹ کا سربراہ بنایا گیا۔ شہادت کے دن تک انہوں نے یہ ذمہ داری بخوبی نبھائی۔ اور پوری بہادری اور استقامت سے اپنا کام کرتے رہے۔ مخصوص فدائی حملوں کی منصوبہ بندی کے علاوہ جنوب مشرقی زون کے تنظیمی ریاست کے سیکرٹری اور صوبہ خوست کے عسکری ذمہ دار کی حیثیت سے اور اسی طرح دیگر جہادی خدمات اور ذمہ داریاں بھی نبھاتے رہے۔

کفر شکن فدائی حملے:

بدرالدین حقانی کا شمار امارت اسلامیہ کی صفوں میں ایک ذہین، مدبر اور فعال عسکری شخصیات میں ہوتا ہے۔ گذشتہ بارہ سالوں میں انہوں نے اپنے پورے تحقیق کے ساتھ مرتب کردہ منصوبوں اور کامیاب حملوں کے ذریعے دشمن کو بار بار شدید نقصانات سے دوچار کیا۔

کابل، بگرام، پکتیا، خوست، میدان وردگ، اور ملک کے دوسرے علاقوں میں بدرالدین حقانی کے جدید طرز سے کئے گئے حملوں اور ان کے بارے میں دشمن کے اعترافات سے ہمارے اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہے۔

سرفروش مجاہدین کے ہاتھوں بدرالدین شہید کے ترتیب شدہ کامیاب حملوں سے دشمن کو کئی سخت نقصانات اور رسوائی کا سامنا رہا۔ اسی لیے دشمن نے ان کے خلاف شدید پروپیگنڈہ شروع کردیا۔ دشمن نے کوشش کی تاکہ میڈیا پر وپیگنڈے کے ذریعے حقانی صاحب کے ساتھیوں کو امارت اسلامیہ سے الگ ایک گروپ ثابت کیا جائے مگر دشمن کے اس پروپیگنڈے کی بھی امارت نے سختی سے تردید کی۔ حافظ بدرالدین حقانی نے اپنی ذمہ داری کے دور میں دشمن کے مراکز پر ۷۵ مختلف النوع بڑے فدائی حملے کیے جس میں بگرام، کابل اور خوست کے جیسے بڑے آپریشن شامل ہیں۔

ان کارروائیوں میں خوست کے صحراباغ میں قائم امریکی مرکز پر آپریشن، خوست کے صوبائی مرکز پر آپریشن، ضلع دومندو میں حملہ، صبریو کے امریکی اڈے اور بگرام کے ہوائی اڈے پر بڑا حملہ، انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل پر حملہ اور دارالحکومت کابل میں کچھ دیگر بڑے اہداف پر آپریشن، جس سے دشمن کو سخت جانی و مالی نقصانات پہنچے۔

بالآخر شہادت:

بدرالدین حقانی جسے جارحیت پسند امریکی اپنے دشمن کی حیثیت سے جان چکے تھے۔ کافی عرصے سے امریکی غاصبوں کا ہدف بن گئے تھے۔ اسی لیے ان کا نام بلیک لسٹ میں شامل کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ بالآخر دشمن کے مسلسل حملوں اور کوششوں کے بعد ڈرون طیارے کے حملے میں کچھ فدائی مجاہدین کے ساتھ ۲۴ اگاست ۲۰۱۲ شمالی وزیرستان میں شہادت کے عظیم رتبے پر فائز ہوگئے۔

امارت اسلامیہ کے رہبری شوری نے بدر الدین حقانی کی شہادت کی مناسبت سے نشر ہونے والے اعلامیہ میں کہا: ''امارت اسلامیہ افغانستان ان کے والد محترم معروف جہادی اور علمی شخصیت مولوی جلال الدین حقانی صاحب حفظہ اللہ، ان کے خاندان، ساتھیوں اور دوستوں کو ان کی شہادت کی مبارک باد پیش کرتی ہے۔ بدر الدین شہید صلیبی جارحیت پسندوں کے خلاف جاری حالیہ جہاد میں ناقابل فراموش کردار کے حامل ایک بہادر مجاہد تھے جنہوں نے دفاع حق کے محاذ پر تاریخی خدمات انجام دیے۔ اللہ تعالی ان کی جہادی خدمات قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے۔

امارت اسلامیہ بدر الدین شہید جیسے جوانوں کی خدمت اور قربانی پر فخر کرتی ہے کہ انہوں نے اپنی جوانی دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی۔ اور اسلام اور ملک پر جارحیت کرنے والے طاغوتی قوتوں کے خلاف جہاد کا محاذ گرم رکھا۔ اللہ تعالی ان کی خدمت اور پاک خون کی برکت سے مسلمانوں کو کامیابی اور کفار کو شکست اور ذلت نصیب فرمائے آمین یارب العالمین



بدر الدین حقانی کی شخصیت اور خصوصیات :

ہم پورے اعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ حافظ بدرالدین حقانی رواں جہاد کی ایک بے مثال ہستی تھی۔ جن کی شہادت پر ان کے دوست غمگیں اور دشمن ایک لمحے کے لئے خوش ہوگئے۔ ان کی شہادت پر مختلف رد عمل اور نقطہ ہائے نظر سامنے آئے۔ ذیل کی چند سطروں میں ان کی شخصیات کے حوالے سے چند لوگوں کی آراء پڑھیں۔

خلیفہ سراج الدین حقانی کہتے ہیں شہادت کے وقت حافظ بدرالدین کا جسم امریکی میزائل لگنے کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوچکا تھا۔ صرف سینہ صحیح سلامت رہ گیا تھا۔ مجاہدین نے انہیں سینے سے پہچان لیا۔ یہ ان کی کرامت اور قرآن کریم کے اعجاز کی علامت تھی۔ کیوں کہ ان کے سینے میں قرآن کریم محفوظ تھا۔ اللہ تعالی نے ان کے پورے جسں میں سے صرف سینے کو صحیح سلامت رکھا۔

صوبہ خوست کے عسکری ذمہ دار مولوی محمد جان نے ان کے بارے میں کہا:

حافظ بدرالدین گفتگو اور تعبیر کے بادشاہ تھے۔ محفل میں شریک سب لوگوں کی توجہ کھینچ لیتے۔ وہ صبر اور حوصلہ کے مالک تھے اور ٹھنڈے دل اور دماغ سے لوگوں کے مشورے سنتے۔ حافظ صاحب کو اللہ تعالی نے بہت کچھ عطا فرمایا تھا۔ اچھے اخلاق، عاجزی، انکساری، تقوی، ایثار اور ساتھیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور خوش طبعی یہ حافظ صاحب کی امتیازی صفات ہیں۔ دشمن کی صفوں میں گھس کر کاروائیاں کرنے کی انہیں بھرپور صلاحیت حاصل تھی۔ انہوں نے دشمن کی صفوں میں لوگوں کو جہاد کے لیے تیار کیا۔ اور دشمن کے گھر سے اس پر کاری حملے کیے۔ حافظ بدرالدین کی جہادی فعالیت اور استعداد کا اعتراف دشمن نے بھی کیا۔ ان میں اطاعت کا مادہ بھی کھوٹ کھوٹ کر بھرا تھا۔ وہ پوری دیانت داری سے امارت اسلامیہ کے رہبری شوری کی جانب سے جاری کردہ احکامات تسلیم کرتے اور اس پر عمل کرتے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کی بھی ایسی تربیت کی تھی کہ وہ امارت اسلامیہ کے پورے وفادار رہتے۔

صوبہ پکتیکا کے سابق عسکری ذمہ داری مولوی محمد سنگین فاتح کہتے ہیں:
حافظ بدرالدین اسٹریٹجک امور میں بھرپور مہارت رکھتے تھے۔اس لیے گذشتہ چند سالہ جہاد میں ہم نے دیکھا کہ جب ساری دنیا کے ترقی یافتہ فوج کے تجربہ کار جرنیل ہمارے ملک میں آئے، اپنی دفاع کے لیے محفوظ مراکز تعمیر کیے، مگر حافظ بدرالدین نے اپنی کامیاب تیکنیکوں کے ذریعے دشمن کے مضبوط دفاعی حصار توڑ کر دشمن کے قلب پر حملے کئے۔انہوں نے ایسے محفوظ مراکزاور مقامات پر حملے کیے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

امارت اسلامیہ کی آفیشل ویب سائٹ کے صحافی حبیب مجاہد حافظ بدرالدین کے بارے میں کہتے ہیں: حافظ بدرالدین ایک ہوشیار، مدبر اور جہادی امور میں صحافت کی اہمیت سے واقف شخص تھے۔وہ جس باریکی اور باریک بینی کے ساتھ عسکری آپریشن مرتب کرتے اتنی ہی باریک بینی سے آپریشن کے بعد اس کی عکس بندی کرتے۔وہ شروع کردہ آپریشن کے حوالے سے انتہائی دقت اور سرعت سے امارت اسلامیہ کے ترجمانوں اور نشریاتی ادارے تک معلومات پہنچاتے۔اور معلومات جمع کرنے میں انتہائی باریک بینی سے کام لیتے۔وہ جہادی آپریشن کی عکاسی کرتے تاکہ یہ کارروائیاں مستند طور پر ناظرین کے سامنے پیش کی جائیں۔ان کی یہی خصوصیت تھی جس کی بناء پر ہونے والی جہادی کارروائیوں کے اثرات عسکری محاذ کے ساتھ مطبوعاتی میدان پر بھی پڑتے۔

بدرالدین حقانی کی شہادت کے بعد امریکی ذرائع ابلاغ نے انہیں امریکا کا ایک خطرناک دشمن قرار دیا۔ THE LONG WAR نامی ایک امریکی نشریاتی ادارے نے لکھا" امریکی جاسوس طیاروں نے بدرالدین حقانی کے نام سے طالبان کے سب سے اہم کمانڈر کو مار دیا ہے۔بدرالدین حقانی نے افغانستان میں امریکیوں پر سب سے بڑے اور ہلاکت خیز حملے کیے۔اہم امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ نے بدرالدین شہید کی شہادت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:" وہ افغانستان میں امریکی کامیابیوں کے سامنے ایک بڑی رکاوٹ تھے جنہوں نے امریکیوں پر مسلسل خطرناک اور ہلاکت خیز حملے کئے۔

عربی کا مقولہ ہے والفضل ماشھدت بہ الاعداء
(اصل فضیلت اور بہتری وہی ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کرے)۔

امریکی فرعونی حکام اپنے تکبر اور غرور کی انتہاء میں بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ بدر الدین حقانی ان کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ تھا۔ اس سے ان کی عسکری و جہادی حیثیت معلوم ہوتی ہے۔

بدر الدین حقانی ان مجاہدین میں سے تھے جنہوں نے شہادت کے بعد امریکی کفار سے اپنی شہادت کا انتقام لیا۔ وہ اس طرح کہ شہادت سے قبل کابل کے آریانا ہوٹل میں سی آئی اے کے مرکزی دفتر پر حملے کی منصوبہ بندی اور تیاری انہوں نے مکمل کر لی تھی۔ جو ان کی شہادت کے بعد انتہائی کامیابی سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔ جس سے دشمن کے انٹیلی جنس حکام کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔

اللہ تعالی حافظ بدر الدین حقانی کی شہادت قبول فرمائے
آمین یارب العالمین

تحریر عبد الرؤف حکمت



مولوی احسان اللہ احسان شہید رحمہ اللہ

مولوی احسان اللہ احسان شہید مولوی آغا محمد کے بیٹے اور مولوی میرزا محمد کے پوتے تھے۔ ۱۳۸۱ ہجری قمری سال کو صوبہ زابل کے وسطی علاقے میں سلیم کے گاؤں میں ایک مذہبی علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ مولوی احسان اللہ احسان شہید کے دادا کا شمار صوبہ قندہار کے مشہور جہادی اور علمی شخصیات میں ہوتا ہے۔ موصوف نے انگریزوں کے خلاف افغانوں کی جنگ میں نمایاں حصہ لیا۔ اسی لیے وہ قندہار اور سرحدی صوبہ سپین بولدک میں انگریزی تسلط کے خلاف جنگوں میں پیش پیش رہے۔ انہیں علاقوں میں سے کسی ایک علاقے میں وہ ایک جنگ میں زخمی ہوگئے۔ جس کے باعث وہ ایک پاؤں سے ہمیشہ کے لیے معذور بھی ہوگئے، بعد میں افغانستان کے لوگوں میں یہی معذوری ان کی وجہ پہچان بن گئی۔

تعلیم:

مولوی احسان اللہ احسان شہید بچپن ہی سے فطری طور پر ذہین وفطین واقع ہوئے تھے، ان کی ذہانت کی وجہ سے ان کے والد نے بچپن ہی سے ان کے علم اور تربیت پر توجہ دی ہوئی تھی۔ پہلے پہل ان کو گھر ہی میں ابتدائی تعلیم دینی شروع کردی،

بعد میں علوم شریعت کے حصول کے لیے دارالہجرت کے شرعی مراکزاور مدارس کی طرف انہیں بھیج دیا۔ دار ہجرت کے مختلف دینی مدارس میں انہوں نے انتہائی جانفشانی اور محنت سے اپنی پڑھائی جاری رکھی یہاں تک کہ ہجری قمری ؟سال کو شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالواحد صاحب سے دورہ حدیث کی سند لے کر فارغ التحصیل ہو گئے۔

جہادی زندگی :

مولوی احسان اللہ احسان شہید رحمہ اللہ ابھی اپنی تعلیمی زندگی کے ابتدائی مراحل میں تھے کہ افغانستان میں کمیونسٹوں نے ایک فوجی ڈکٹیٹر کے ذریعے عنان اقتدار سنبھالی۔ کمیونسٹوں کے تسلط کے خلاف اسلام پسند افغانوں نے اسلامی جہاد کا آغاز کر دیا۔ اس مقدس جہاد میں افغانوں نے بے مثال غیرت اور بہادری کے ساتھ حصہ لیا۔ لیکن اس جہاد کی قیادت کی ذمہ داری بہر حال علماء کے کندھوں پر تھی۔ مولوی احسان اللہ شہید کا تعلق بھی چونکہ ایک علمی اور جہادی خاندان سے تھا جو اپنے علاقے کی سطح پر ایک جہادی اور علمی خاندان کی حیثیت سے جانا جاتا تھا، اس لیے انہوں نے روس کے خلاف جہاد کو دوسروں سے بڑھ کر اپنی ذمہ داری سمجھا۔

موصوف نے اسی دینی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے پہلی مرتبہ صوبہ زابل کے وسطی اضلاع میں مقیم شہید رحمہ اللہ کے زیر قیادت غاصب روسیوں کے خلاف جہاد کا آغاز کیا۔ اس کے بعد وہ صوبہ ہلمند گئے۔ وہاں بھی انہوں نے اس صوبے کے مختلف محاذوں پر کمیونسٹوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔ ہلمند میں مختلف جہادی تیکنیکوں کا خوب تجربہ ہونے کے بعد وہاں سے صوبہ زابل آ گئے جہاں انہوں نے ایک مضبوط اور فعال جہادی محاذ کی بنیاد رکھی۔ یہ زابل کے وسطی ضلع ''ارغسوغرہ'' کا علاقہ تھا جہاں ان کے ساتھی مولوی عبدالظاہر بھی ان کے ہمراہ تھے۔

مولوی احسان اللہ شہید اپنے تاسیس کردہ محاذ میں مجاہدین کی فوجی اور عسکری تربیت کے ساتھ دعوتی حلقے، فکری تربیت اور اسلامی ثقافت کے درسوں کا بھی اہتمام کرتے تھے۔ وہ اپنے مجاہدین کی فوجی ٹریننگ کے ساتھ علمی اور فکری لحاظ سے الحاد اور بے دینی کے خلاف جہاد اور مزاحمت کی تربیت دے کر علم اور سمجھ کے ہتھیار سے انہیں مسلح کرتے

تحریک طالبان کی تاسیس میں شہید احسان کا کردار:

مئی-1994ء کو جب ملک میں امارت اسلامی کی قیادت کی جانب سے طالبان کے نام سے اسلامی تحریک کی ابتداء ہوئی تو مولوی احسان اللہ شہید رحمہ اللہ ان ابتدائی لوگوں میں سے تھے جو پورے اخلاص کے ساتھ تحریک کے موسس کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو گئے اور اپنی انتھک محنت سے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ تحریک کے اسی اوائل میں انہوں نے اپنے علاقے کے سارے کمانڈروں اور عام لوگوں کو ترغیب دے کر رضاکارانہ طور پر مجاہدین کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر راضی کر دیا اور صرف ہتھیار ڈالنے نہیں بلکہ طالبان کی صفوں میں کھڑے ہو کر ایک خالص اسلامی حکومت کے قیام کے لیے قربانیاں دینے پر بھی راضی کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی احسان شہید کی ان حکیمانہ کوششوں کی برکت سے علاقے کے سارے لوگ اس بات پر تیار ہو گئے کہ وہ آکر تحریک سے مل جائیں۔ اس عوامی حمایت کے نتیجے میں طالبان کے لیے یہ ممکن ہوا کہ ضلع ڈنڈ سے ضلع سپین بولدک تک پہنچ جائیں اور سپین بولدک کا کنٹرول سنبھال لیں۔ صوبہ قندہار پر طالبان کا کنٹرول مستحکم ہونے کے بعد امارت اسلامی کی قیادت کی جانب سے مولوی احسان شہید ۱۹۹۴ء/۱۱/۰۵ کو زابل اور غزنی کے اضلاع کے جہادی کمانڈروں کی طرف مذاکرات کے لیے بھیجا گیا کہ وہ بھی آکر طالبان کی صفوں میں شامل ہو جائیں۔ موصوف نے ان صوبوں کے علماء اور جہادی کمانڈروں کے ساتھ مسلسل ملاقاتوں اور مشوروں کے بعد انہیں اس بات پر تیار کر لیا کہ وہ طالبان کی صفوں سے آکر مل جائیں۔

جنہوں نے صرف اور صرف الٰہی نظام کے نفاذ اور ملی خود مختاری و حاکمیت کے لیے اسلحہ اٹھایا تھا اور بہت کم وقت میں ملک کا جنوب مغربی حصہ ان کے کنڑول میں آگیا۔ مرحوم احسان صاحب کو ۲۶ جنوری ۱۹۹۶ کو غزنی پر طالبان کے قبضے کے بعد تحریک کی قیادت کے جانب سے ملک کے جنوبی صوبوں کے تصفیے کے لیے گردیز اور خوست کی جانب بھیجا گیا۔ موصوف نے صوبہ پکتیا میں ایک اجتماع میں شرکت کی۔ یہ اجتماع پکیتا میں طالبان کی آمد کے سلسلے میں منعقد کیا گیا تھا۔ اس اجتماع میں انہوں نے پکتیا اور سارے جنوبی صوبہ جات کے مسلمانوں اور وہاں کے باسیوں کو تحریک اسلامی طالبان کے اہداف اور اغراض انتہائی تفصیل سے بتائے۔ اس کے بعد وہ ضلع خوست کی جانب گئے، جہاں جنوبی صوبوں کے عمومی جہادی مسول مشہور جہادی، علمی اور سیاسی شخصیت الحاج مولوی جلال الدین حقانی حفظہ اللہ کے زیر قیادت لڑنے والے مجاہدین کی جانب سے ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ وہاں بھی انہوں نے طالبان کے استقبال کے سلسلے میں منعقدہ اجتماع سے طالبان تحریک کے اہداف و اغراض مفصل انداز میں بیان کئے۔ اپنی تقریر میں انہوں نے خوست کے مجاہد عوام سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک مقتدرہ متحدہ اسلامی حکومت کے قیام کے لیے تحریک طالبان کی پشت پر کھڑے ہو جائیں اور ان کی مدد کریں۔

یہی وہ وقت تھا جب سارے مجاہد اور غیور عوام اپنے مجاہد قائد الحاج جلال الدین حقانی کی رہنمائی میں طالبان تحریک کی صفوں میں شامل ہو گئے۔ اور سارے مجاہدین علی الاعلان عملی طور پر طالبان کی حمایت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جنوبی علاقوں میں پکتیا، پکتیکا اور خوست کے صوبے احسان شہید کی انتھک کوششوں اور علمی بیانات کے ذریعے طالبان کے کنڑول میں آنے کے بعد انہیں تحریک کی قیادت کی جانب سے مغربی زون میں صوبہ ہرات کی طرف بھیجا گیا۔ ہرات میں بھی انہیں یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ ہرات کے ان عوامی اجتماعات میں جو طالبان تحریک کی حمایت میں منعقد کیے جاتے ہیں ان میں شرکت کریں اور اپنے پر جوش اور عالمانہ بیانات سے ہرات کے علم دوست اور مجاہد صفت عوام میں سے تحریک کے ہم نوا پیدا کریں۔

مولوی احسان شہید رحمہ اللہ، اللہ کی عطا کردہ علمی استعداد کی بدولت ایسی فصاحت اور معقول استدلال کی قوت کے مالک تھے کہ انتہائی منطقی طریقے سے ہر کسی کو مطمئن کرسکتے تھے۔ وہ دعوت کے بہترین اسلوب کے ذریعے انتہائی آسانی سے مخاطب کو اپنا موقف سننے پر راضی کر سکتے تھے۔ اس دوران مولوی احسان اللہ شہید تحریک کی قیادت کی جانب سے صوبہ ہرات کے سرپرست گورنر کی حیثیت سے بھی ذمہ دار مقرر کیے گئے تھے۔ لیکن وہ ہمیشہ جہاد پرور عوام کے عوامی اجتماعات میں علاقے کے ایک باسی شخص کی طرح شریک ہوتے اور اپنے لیے کوئی امتیاز پسند نہ فرماتے۔

امارت اسلامی کی قیادت نے ۱۱/۹/۱۹۹۶ء کو جب ملک کے مشرقی علاقے کے تصفیے کے لیے طالبان کی جماعتیں ننگرہار، کنڑ اور لغمان کے صوبوں کی طرف بھیجیں اس وقت بھی مولوی احسان اللہ احسان صاحب کو ایک داعی، صلح جو عالم ترجمان اور رہنما کی حیثیت سے وہاں بھیجا گیا۔ احسان شہید رحمہ اللہ نے وہاں بھی اپنی ذمہ داری خوب نبھائی۔ انہوں نے مشرقی زون کے مجاہد اور غیور لوگوں کو اپنے پر حکمت بیانات کے ذریعے طالبان تحریک کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کیا اور انہیں طالبان کی حمایت پر آمادہ کیا۔ صوبہ ننگرہار پر طالبان کے قبضے کے بعد وقتی طور پر مولوی احسان وہاں کے سرپرست گورنر کی حیثیت سے مقرر کیے گئے۔ مولوی احسان صاحب اس وقت تک وہاں رہے جب تک ملک کا دارالحکومت کابل طالبان کے دائرہ کنٹرول میں نہ آیا۔ کابل پر طالبان کے قبضے کے بعد قیادت کی جانب سے مولوی احسان شہید رحمہ اللہ کابل کے مرکزی بینک افغانستان بینک کے گورنر مقرر کیے گئے۔

احسان شہید رحمہ اللہ کی جامع شخصیت اور ان کی علمی بصیرت:

مولوی احسان شہید رحمہ اللہ ایک متفوق عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک وسیع النظر سیاسی مفکر بھی تھے۔ان کے پاس امت مسلمہ کو درپیش مسائل کے حل کے لیے انتہائی مناسب اور قابل عمل منصوبے تھے۔ان کے ہاں عالمی امن کے قیام اور فتنہ وفساد کے خاتمے کے لیے مفسدین اور منکرین کے خلاف جہاد ہی موثر ذریعہ اور وسیلہ تھا۔وہ ہر کسی کو وصیت کرتے کہ منکرین حق سے بہترین اسلوب اور حکیمانہ طریقے سے مجادلہ کرو۔ تقوی اور روحانیت کو اسلامی دعوت اور مبارزت کی کامیابی کا اساس قرار دیتے۔ مجاہدین کے ایک معروف رہنما ابوالیث اللیبی رحمہ اللہ حضرت شہید رحمہ اللہ کو دوسرا سید قطب کہتے اور ہمیشہ ان کے پشتو اور فارسی خطبات اور بیانات انتہائی توجہ سے سنتے۔

مولوی احسان اللہ شہید رحمہ اللہ کی شہادت

۲۴/۵/۱۹۹۸ء کو شمالی زون کے کچھ صوبے فاریاب، جوزجان، مزار شریف، سمنگان، بغلان اور قندوز طالبان کے کنٹرول میں آگئے شہید مولوی احسان اللہ شہید رحمہ اللہ بھی ان طالبان کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ موصوف چاہتے تھے کہ شمالی علاقے بھی جنوبی، جنوب مغربی اور مشرقی علاقوں کی طرح مصالحت اور امن کے ساتھ کنٹرول میں آجائیں تاکہ جنگ زدہ افغان عوام اب صلح اور بھائی چارے کی فضا میں ایک خوشگوار زندگی گذار سکیں۔ لیکن ملک کی خود مختاری اور اسلامی اقتدار کے قیام کے دشمنوں کو یہ ہرگز منظور نہ تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ افغان عوام ایک خالص اسلامی مرکزی حکومت کے سائے میں پرامن اور خوشحال زندگی کے مالک بن جائیں۔
یہی وہ وقت تھاجب کمیونسٹ جنرلوں کے ذریعے افغانستان اور اسلام کے دشمن قوتوں نے ایک سازش تیار کی۔اسی سازش کے ذریعے انہوں نے شمالی علاقوں میں طالبان کے خلاف بغاوت شروع کردی۔

طالبان ان علاقوں کے لوگوں اور ان علاقوں سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اس قابل نہ ہوسکے کہ بغاوت کے مقابلے میں کھڑے ہو جائیں اور فوری طور پر بغاوت کو فرو کر دیں۔اس عوام دشمن بغاوت میں جس کی قیادت ایک کمیونسٹ جنرل، جنرل مالک کر رہے تھے ہزاروں حریت پسند اور صلح جو طالبان مجاہدین شہید کیے گئے۔امارت کی جانب سے زندہ بچ جانے والے مجاہدین کو پیچھے نکل جانے کا حکم ہوا۔مولوی احسان شہید رحمہ اللہ اس وقت مزار شریف کے شہر میں موجود تھے۔امارت اسلامی کی جانب سے پیچھے نکل جانے کے حکم کے بعد انہوں نے مزار شریف سے دشت شادیان کے راستے نکل جانے کا ارادہ کیا۔جہاں بعد میں صوبہ بلخ کے مضافات میں ضلع چار کنت پہنچنے پر راستے میں مخالفین کے مورچہ بند حملے میں ۱۹۹۸/۵/۲۷ء کو شہید ہو گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ



مولانا اشتیاق اعظمی
(مولانا خبیب) رحمہ اللہ

پندرہویں صدی میں
سید احمد شہید کے قافلے کا ایک راہی
مولانا اشتیاق اعظمی (مولانا خبیب) رحمہ اللہ

گھرانہ و تعلیم

ان کے آباء واجداد نے جب سنا کہ ہندوستان تقسیم ہو رہا ہے اور ایک ایسے ملک کا قیام عمل میں لایا جارہا ہے جس کی بنیاد ہی کلمہ طیبہ ہو گی تو انہوں نے علماء کے دیس اعظم گڑھ کو خیر باد کہہ کر کراچی کا رخ کیا اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ پھر اسی شریعت کی محبت میں اپنے بیٹے کو سکول کا منہ تک نہیں دکھایا جس میں تعلیم کے آثار جیسا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نماز اور روزہ میں کاہلی بلکہ اعراض۔ عقائد دینیہ میں تشویش وانکار۔ تکبر، نمائش، دوسروں کو حقیر سمجھنا۔ تصنع و تقلید کفار۔ اور دینداروں کو نظر مذلت سے دیکھنا ہیں۔" اپنے چشم وچراغ کو حافظ بنانے کے بعد اول تا آخر مدرسہ میں زیر تعلیم رکھا۔ اس طرح آج سے ۱۴ سال قبل ان کی فراغت جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن سے ہوئی۔ پھر شادی ہوئی تو بھی عالمہ سے۔ اور جیسے انہیں تربیت ملی ویسے ہی وہ خود اپنے بچوں کی تربیت کے لیے فکر مند رہتے تھے۔

یہ تھے ہر دل عزیز مولانا اشتیاق اعظمی رحمہ اللہ جنہیں سرزمین جہاد مولانا خبیب کے نام سے جانتی ہے۔

اصلاح معاشرہ اور حق گوئی مولانا کا گھرانہ شریعت کی دعوت کی خاطر تبلیغ سے منسلک رہا کہ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی۔ فراغت کے بعد اپنے آباء کے مقصدِ ہجرت کی تکمیل کے لیے اپنے محلے اور نگی ٹاؤن میں تدریس و خطابت سے دس سال تک منسلک رہے اور علاقے میں بہت سے اصلاحی کام کیے۔ علاقے میں شرک اور بدعت کی روک تھام میں ان کا بڑا ہاتھ رہا۔ اصلاح کی خاطر مردوں کے علاوہ وہ خواتین کو بھی خاص دروس دیا کرتے تھے۔ بدنامِ زمانہ ایم کیو ایم سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ انہوں نے مولانا کو مہاجر جان کر اپنے گڑھ میں انہی کے زیرِ انتظام ایک مسجد کا انتظام و انصرام حوالے کیا۔ مولانا نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے بلا خوف و خطر خوب ایم کیو ایم کے خلاف آواز اٹھائی۔ اسی طرح وہ اسلام کے دشمن روافض سے بھی شدید عداوت رکھتے تھے جنھوں نے تاریخ میں بارہا خلافتِ اسلامیہ کے خلاف سازشیں کیں، یہاں تک کہ خلافتِ عباسیہ کو ڈھانے کی سازش میں کامیاب بھی ہوئے۔

سفرِ جہاد

آباء و اجداد کے خواب کی تکمیل اور اپنی سرزمین پر شریعت کا نفاذ گویا بچپن سے ہی مولانا خبیب میں رچ بس گیا تھا۔ اسی لیے طالب علمی کے دوران ہی اس خواب کی تکمیل کے لیے جہاد کے میدان میں پاؤں رکھے۔ پہلی دفعہ امارت کے دور میں مشہور مجاہد قاری ظفر رحمہ اللہ کی وساطت سے مہینے دو مہینے لگانے کے لیے افغانستان کا رخ کیا۔ پھر دوبارہ آنا ہوا لیکن اس دفعہ وزیرستان میں کمانڈر بدر منصور رحمہ اللہ کے پاس جن کا تعلق القاعدہ سے تھا۔ اسی وقت انھوں نے کسی عرب عالم سے دورہ شرعیہ بھی لیا۔

غالباً یہ ۲۰۰۶ھ کی بات تھی۔ مولانا خبیب رحمہ اللہ اپنے علاقے میں دعوتِ جہاد مسلسل دیتے رہے۔ خود واضح سوچ رکھنے کے باوجود تمام جہادی تنظیموں سے اچھے تعلقات استوار کیے ہوئے تھے اور مختلف گروہوں کو دروس دینے کے لیے جاتے تھے۔ جن میں ان کا خاص موضوع ردِ جمہوریت ہوتا تھا۔ لیکن مولانا صرف گفتار کے غازی نہ تھے کردار کے بھی غازی تھے۔ اپنی جسمانی کمزوری کے باوجود وہ اپنے تمام امراء سے مطالبہ کرتے تھے کہ انہیں محاذ پر بھیجا جائے۔

سنت یوسفیؑ

چونکہ مولانا خبیب خوب سمجھ گئے تھے کہ وطنِ عزیز میں نفاذِ شریعت کے سامنے بنیادی رکاوٹ وہ حکومتی ٹولہ ہے جس نے فرنگی جمہوری نظام بزورِ قوت عوام پر مسلط کیا ہوا ہے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ لوہا ہی لوہے کو کاٹ سکتا ہے۔ اس لیے انھوں نے صرف دعوت و تبلیغ پر اکتفا نہ کیا بلکہ عملاً حکومت کے خلاف جہادی سرگرمیوں میں شریک رہے۔ تاہم وہ مختلف جہادی گروہوں کے ساتھ صرف ان کارروائیوں میں شریک ہوتے جن کا بنیادی ہدف حکومت ہوتی۔ اسی طرح کی ایک کارروائی میں بم چیک کرتے ہوئے وہ گرفتار ہوگئے۔ یہ ۲۰۰۹ء کی بات ہے۔ نہ صرف یہ کہ مولانا خبیب نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح قید کاٹی بلکہ قید میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح دعوت کو زندہ رکھا۔

مولانا خبیب صرف داعی نہیں بلکہ ایک ہمہ جہت داعی تھے۔ وہ جیل سے پہلے بھی اور دوران بھی امت کے دکھ اور تکلیف کے بارے میں مختلف علماء کو فرضی نام سے خطوط و رسائل لکھا کرتے تھے۔ جیل میں انھوں نے اپنا آزاد تشخص قائم رکھا اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جیل میں موجود مختلف جہادی مجموعات کو دروس دیتے رہے۔ پھر صرف دروس پر اکتفا نہ کیا بلکہ وہ ساتھیوں کو ناظرہ قرآن بھی پڑھاتے، حفظ بھی کراتے اور ترجمہ بھی پڑھاتے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ عام بیانات بھی دیتے رہے۔ اسی وجہ سے وہ ہر ایک کے لیے محبوب اور غیر متنازعہ تھے۔ اور جیل میں تمام مجاہدین ان سے جہادی مسائل پوچھتے رہتے تھے۔ رہا ہونے کے بعد بھی جب انھوں نے سرزمین جہاد میں سکونت اپنائی تو وہاں بھی ان کا کام اکثر معسکرات اور محاذوں پر ساتھیوں کی شرعی اور دینی تربیت کرنا تھا۔

پھر اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ وہ اوروں کو بھی دعوتِ دین پر ابھارتے۔ چنانچہ جب انہیں علم ہوا کہ ان کے جیل کے ایک ساتھی رہا ہونے والے ہیں تو انہیں نصیحت کی: ''باہر نکل کر کھل کر بات کریں۔ اللہ پاک مدد کرے گا۔'' ساتھی نے مولانا کی نصیحت پر عمل کیا اور بہت لوگ ان کی دعوت پر جہادِ حق کے ساتھ جڑے۔ حالانکہ وہ ساتھی فرماتے ہیں کہ ان میں نہ بولنے کی صلاحیت تھی اور نہ وہ فنِ تقریر یا خطابت سے آشنا تھے۔ بس مولانا نصیحت نے کام کیا۔ دیکھیے کہ ایک چھوٹی سی اچھی بات کا کتنا بڑا اثر ہوتا ہے۔

مولانا صاحب رحمہ اللہ کو حضرت یوسف علیہ السلام سے تیسری نسبت خوابوں کی تعبیر ہے۔ ایک ساتھی نے افغانستان کے صوبہ قندھار کے ضلع شورابک میں ایک خواب سنایا جس کی تعبیر انہوں نے یہ کہتے ہوئے کی کہ ''ذمہ دار ساتھیوں سے کہیں کہ وہ اس علاقہ سے نکل جائیں''۔ اور چند عرصہ بعد اس علاقے میں امریکی آپریشن کے نتیجے میں مجاہدین کا کافی نقصان ہوا۔ ایک اور ساتھی نے خواب بتایا تو انہوں نے تعبیر کی کہ آپ کا کوئی قریبی ساتھی شہید ہو گا حالانکہ مولانا صاحب کو قطعاً علم نہ تھا کہ خواب دیکھنے والے کا کوئی اور ساتھی بھی موجود ہے۔ اسی طرح ہمارے ساتھی شہید یعقوب بنگالی کی ایک خواب کی تعبیر کی کہ وہ عنقریب شہید ہوں گے۔ یعقوب بھائی ان کی اس تعبیر کو ہر جگہ خوشی سے بیان کرتے۔ کئی دنوں کے بعد وہ واقعتاً شہید ہو گئے۔

حاجی ولی اللہ رحمہ اللہ سے تعلق

لیکن خود وہ کسی رہنما کے متلاشی تھے۔ اپنے آپ میں وہ نہ صرف صحیح فکر و منہج والوں کو ڈھونڈتے تھے بلکہ وہ جو ساتھ ساتھ اچھے اخلاق اور ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک رکھتے ہوں، جو آپس کی چپقلشوں میں نہ پڑتے ہوں، جن کی جماعت میں امیر و مامور کے تنازعات نہ ہوں، ایک دوسری کی ٹانگ نہ کھینچی جاتی ہو۔ اس طرح وہ رفتہ رفتہ جیل میں القاعدہ سے منسلک اور بعد میں تنظیم القاعدہ بر صغیر کے رکن شوریٰ اور مسئول لجنہ تدریب حاجی ولی اللہ رحمہ اللہ کے قریب ہوتے گئے۔

مولانا خبیب کے بقول ”حاجی صاحب کی ایک صفت یہ تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کے درمیان دوست بن کر رہتے تھے۔ان کا حد درجہ خیال رکھتے تھے۔ باقی مجموعات آپس میں الجھتے رہتے تھے لیکن حاجی صاحب تمام سے اچھا تعلق رکھتے اور ان کے جھگڑوں میں نہیں پڑتے تھے“۔اس لیے ان کا تعلق فطرتاً حاجی صاحب سے بڑھ گیا۔

اسی لیے جب وہ ۲۰۱۳ء میں رہا ہوئے اور سرزمین جہاد کی طرف رخت سفر باندھا تو حاجی ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے پاس ہی آئے اور ان کا مکمل ساتھ دیا۔ نہ صرف اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دیا بلکہ اپنے ساتھیوں کو بھی لا کر ان سے جوڑ دیا۔ یہ ہے حسن اخلاق کا کمال۔

علوم شریعت پر دسترس

جیل میں ایک جہادی تنظیم سے منسلک مفتی صاحب امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، عمر میں بھی زیادہ تھے اور بارعب بھی تھے۔انہوں نے ایک دفعہ مولانا صاحب سے کہا کہ آپ درس دیں۔ بس وہ درس دینا تھا کہ فرمانے لگے ”نہ میں آئندہ امامت کرواؤں گا اور نہ درس۔ کیونکہ میں اس کا اہل نہیں۔ مولانا خبیب اس کے اہل ہیں“

مولانا خبیب کے جیل سے پہلے ہی عرب مشائخ سے رابطہ تھا جو کہ جیل کے دوران بھی جاری رہا۔ مولانا خبیب ہی تھے جنہوں نے شیخ ابو یحیی لیبی رحمہ اللہ کی سند فراغت حاصل کرنے کے لیے مراسلت کا ذمہ لیا۔ نیز جیل میں ہی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ سے بھی خط و کتابت کا تعلق بن گیا۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب میں مولوی طلحہ افغانی رحمہ اللہ کے ساتھ شعبہ تعلیم و تربیت میں کام کرتا تھا تو وہ میرے پاس اردو میں ہاتھ سے لکھا ہوا ایک کتاب کا مسودہ لائے تاکہ میں اسے مشائخِ جہاد کے لیے عربی میں ترجمہ کروں۔ وقت کی کمی کی بنا پر میں نے اس کا مکمل ترجمہ تو نہیں کیا لیکن خلاصہ عربی زبان میں ڈھالا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ غنائم کی وہ کتاب ہے جسے مولانا خبیب نے جیل میں اپنے حافظہ سے تحریر کیا تھا۔ شیخ ابو یحیی رحمہ اللہ نے جب اسے پڑھا تو تبصرہ فرمایا کہ ”ہمیں ایسے مجتہد علماء کی ضرورت ہے جو جہاد کے جدید مسائل پر تحقیق کریں“

پھر جیل کے دوران ہی انھوں نے حاجی ولی اللہ صاحب کے کہنے پر مختلف کتابچے بھی تحریر کیے جنہیں ان کے ساتھی شائع بھی کرتے رہے۔ ان میں سے ایک کتابچہ دجالی میڈیاکے بارے میں بھی تھا۔ لیکن افسوس کہ اب وہ ناپید ہیں۔ یہ تمام کتب جیل کے دوران انھوں نے اپنے حافظہ سے لکھی کیونکہ جیل میں کتب دستیاب نہ تھیں۔

مولانا کو یہ بھی کمال حاصل تھا کہ وہ ہر سائل کو تشفی بخش جواب دیتے تھے۔ اکثر مجاہدین ساتھی یہی کہتے تھے جن میں ہمارے ایک شہید ساتھی گلاب رحمہ اللہ بھی ہیں کہ انھیں بہت سے جہادی مسائل پریشان کرتے تھے۔ یہ پوچھتے تھے لیکن تشفی نہ ہوتی تھی۔ پھر جب سے انھوں نے مولانا سے پوچھا تو اس کے بعد ان کو انشراح صدر نصیب ہوا۔

ان کی اسی علمیت کی بناپر شعبان_1436ھ میں انھیں جماعت قاعدۃ الجہاد برصغیر کی لجنہ شرعیہ کا مسئول بنایا گیا۔

حسن اخلاق کا پیکر

مولانا دھیمے مزاج کے حامل تھے۔ کبھی اونچی آواز میں نہ بولتے۔ ساتھیوں کے سامنے بچھے جاتے۔ مجلس میں کوئی دیکھ کر یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ یہ لجنہ شرعیہ کے مسئول ہیں۔ جسم بھی ان کا دبلا پتلا تھا۔ وہ بحث ومباحثے سے بچتے تھے اور تمام مسائل میں اعتدال کی بات کرتے تھے۔ ساتھیوں کو انتہائی سلیس انداز میں مسائل سمجھاتے تھے۔ سرزمین جہاد میں آکر سلفی ساتھیوں سے واسطہ پڑا لیکن حسن تعامل وافہام وتفہیم کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر ایک کے لیے مرجع بن گئے۔

جیل میں جن مجاہدین کو قرآن پڑھنا ہوتا وہ اپنے لیے اپنے پسند کے قاری منتخب کرتے۔ چونکہ مولانا صاحب جسامت میں چھوٹے اور اخلاقاً عاجز تھے اس لیے شروع میں ان کی طرف کوئی رجوع نہیں کرتا تھا۔

جب مجاہدین نے مل کر درس وتدریس کا نظام بنایا تواس میں مولانا صاحب کو حاجی ولی اللہ کے مجموعے کے ایک بڑی عمراور رتبہ والے مجاہد کے سپرد کیا۔ مجاہد نے ان کو چھوٹا جان کران سے پڑھنے سے انکار کر دیااور بہانہ یہ بنایا کہ استاد سے تواُنس ہونا ضروری ہے اور میں توآپ کو جانتا ہی نہیں۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد جب کوئی قاری دستیاب نہ ہو سکا تومولانا صاحب سے ہی پڑھنا شروع کر دیا۔ لیکن مولانا صاحب نے مجاہد کی اس حرکت کو قطعاً برا نہیں منایا۔ بلکہ الٹا کہتے رہے کہ آپ نے ٹھیک کہا تھا کہ شاگرد کواستاذ سے انس ہونا چاہیے۔

مولانا اپنی للہیت کے ساتھ ساتھ شگفتہ مزاج بھی تھے۔ ساتھی ان کے ساتھ بیٹھ کر کبھی نہ اکتاتے۔ خبریں بہت اہتمام سے سنتے تھے۔ پوری دنیا میں ہل چل مچ جاتی لیکن اگران کے شہر کراچی کی خبر نہ ہوتی توکہتے آج کوئی خاص خبر ہی نہیں۔

سید شہیدؒ کے قافلے کے راہی

بس بھئی۔ جیسا کل ویسا آج۔ یا کہہ لیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ وہی سلسلہ۔ وہی قافلہ۔ اور ہے یہی راستہ فلاح ونجات کا۔ یا تواسلام فتحیاب ہو اور یا ہم جام شہادت نوش کریں۔ یا شریعت یا شہادت۔ اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔ ہمارے پیارے مولانا صاحب رحمہ اللہ_1437ھ کے اواخر میں صوبہ قندہار کے ضلع شورابک میں امریکی اور ملی اردو کے مشترکہ چھاپہ میں اپنے درجنوں ساتھیوں سمیت ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔

اللہ تعالی انھیں شہداء وصدیقین میں قبول فرمائے۔ اور آخرت میں ہمیں ان کی صحبت سے محروم نہ کرے۔ اللہ تعالی ان کی اولاد کو بھی انھیں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا خبیب رحمہ اللہ کی نگارشات و آواز

مولانا رحمہ اللہ کی کئی تحریرات ساتھیوں کے ہاں ہیں جنہیں جلد از جلد عالم اسلام کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ان میں موجودہ دور میں غنائم کے احکام۔ موالات کے موضوع پر پیشہ ور قاتلو کے نام سے۔ حضرت شیخ الہند کی تقریر ترمذی کا اردو ترجمہ۔ اس کے علاوہ مولانا رحمہ اللہ کا ارادہ تھا کہ اکابر کی وہ تحریرات قارئین کے سامنے تازہ کریں جن کا تعلق دور حاضر کے جہادی منہج سے ہے جن میں دو لکھ چکے تھے۔

اس کے علاوہ مولانا کے معسکرات کے کئی دروس بھی ہیں۔ اس میں ساتھیوں کے لیے شرعی دورہ اور تفسیر سورہ توبہ، سورہ انفال، سورہ حجرات اور سورہ محمد شامل ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں توفیق دے کہ ہم مولانا کی ان کاوشوں کو مجاہدین اور عامۃ المسلمین تک پہنچا سکیں۔ اور ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کرے۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين!